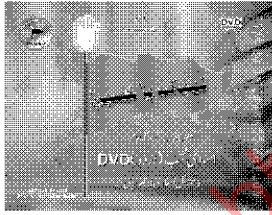


# ہم ماں کیوں کرتے ہیں؟

محیب عبدالکریم مشاق

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب۔

سیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



۷۸۶  
۹۲-۱۱۰  
یا صاحب الزماں اور کئی

DVD  
Version

# لبیک یا حسینؑ

نذر عباس  
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

## اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABIL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad  
Sindh, Pakistan.

www.sabelesakina.page.tl  
sabelesakina@gmail.com

# ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟

جواب

## ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے؟“

عبدالحکیم مشتاق  
محیط  
۵۱-۱

عبدالحکیم مشتاق

ناشر

رحمت اللہ علیہ ایڈیٹری ناشران و تاجران کتب

بکری بازار نزد خوجہ شیم اشاعتی سجدہ کھارادر کراچی ۲

(جملہ حقوق ترجمہ و طباعت بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب	.. .. .	ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟
بحواب کتاب	.. .. .	ہم ماتم کیوں نہیں کرتے؟
عجیب	.. .. .	عبدالکریم مشتاق
پیشکش	.. .. .	اکبر ابن حسن
کتابت	.. .. .	اختار علی اختر
پرنٹر	.. .. .	نفیس اکیڈمی آف سیٹ پرنٹرز
قیمت	.. .. .	

اپنے ہاتھوں سے لکھ کر کیا  
سید نذر عباس

رحمت اللہ یک ایجنسی ناشران و تاجران کتب  
مبئی بازار نزد خوبہ شیمہ اشاعہ شری مسجد کھارادر کراچی ۷۷

# فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۵	پیش لفظ	۱-
۱۸	شکوہ (نظم)	۲-
۱۹	ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟	۳-
۲۰	مروجہ ماتم	۴-
۲۱	دلیل ۱	۵-
۲۲	قاضی صاحب کا جواب	۶-
۲۳	جواب الجواب دلیل ۱	۷-
۲۵	۸- مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا تفسیری حاشیہ	
۲۵	۹- "صبر" کے معنی اہلسنت حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کی زبان	
۲۶	۱۰- مولوی شبیر احمد عثمانی کی تفسیر	
۲۶	۱۱- لفظ "حسن" کی تشریح	
۲۷	۱۲- وقتی صدمہ	
۲۸	۱۳- عزادار اُمت	
۲۸	۱۴- یادگارِ غم	
۲۹	۱۵- شہداء کی ہر سال یاد منانا سنتِ رسولؐ بھی ہے اور طریق	
۳۰	اصحابِ ثلاثہ بھی ہے۔	
	۱۶- لمائے حسینؑ یا داہ حسینؑ	

جلیل سیکرٹری  
جید آباد لطیف آباد پین نمبر ۸-۷۱

- ۳۳ ۱۷۔ خبر شہادت پر مسرور ہونا چاہیے یا منہموم؟
- ۳۴ ۱۸۔ اندھا کیا جاتے لبنت کی بہار!
- ۳۵ ۱۹۔ دلیل ۲
- ۳۶ ۲۰۔ قاضی منظم صاحب کا جواب
- ۳۶ ۲۱۔ ہمارا جواب ۲
- ۳۷ ۲۲۔ گریہ انبیاء
- ۳۸ ۲۳۔ دلیل ۳
- ۳۸ ۲۴۔ الجواب القاضی
- ۳۹ ۲۵۔ جواب الاحقر
- ۴۰ ۲۶۔ زمین و آسمان ہمارے ہم مذہب ہیں۔
- ۴۰ ۲۷۔ امام حنن اور دیگر شہداء کی مجالس عزاء۔
- ۴۰ ۲۸۔ دلیل ۴
- ۴۱ ۲۹۔ قاضی صاحب کا جواب
- ۴۱ ۳۰۔ واپسی جواب
- ۴۲ ۳۱۔ آدھم و حوّا کی طویل المدّت نوحہ خوانی
- ۴۲ ۳۲۔ ماتم سنتِ آدھم ہے۔
- ۴۲ ۳۳۔ سیاہ پوشی
- ۴۳ ۳۴۔ دلیل ۵
- ۴۳ ۳۵۔ دلیل ۶
- ۴۴ ۳۶۔ دلیل ۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۳۷	جواب قاضی	۴۴
۳۸	خاکسار کا جواب	۴۴
۳۹	مروجہ ماتم سے ضد	۴۴
۴۰	آسمانی کتب	۴۵
۴۱	توریت و انجیل کی پیروی	۴۵
۴۲	الہامی کتب سابقہ میں آیام عزائم نے کا ابدی حکم	۴۶
۴۳	دلیل ۷	۴۹
۴۴	قاضی مظہر حسین صاحب کا جواب	۴۹
۴۵	جواب من	۴۹
۴۶	دلیل ۹	۵۰
۴۷	جواب دلیل از قاضی مظہر حسین	۵۰
۴۸	میرا جواب	۵۱
۴۹	دلیل ۱۱	۵۳
۵۰	جسرح قاضی	۵۴
۵۱	ہمارا جوابی تبصرہ	۵۴
۵۲	علمی خیانت کا ثبوت	۵۷
۵۳	بالقرض محال	۵۸
۵۴	عزاداری پر رسول اکرم کا اظہار تشکر	۵۸
۵۵	دلیل ۱۱	۵۹
۵۶	جواب منجانب قاضی مظہر حسین صاحب	۵۹



صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۶۰	ہماری گزارش	۵۷
۶۱	دلیل ۱۲	۵۸
۶۱	جواب از قاضی	۵۹
۶۱	جواب الکرم	۶۰
۶۳	دلیل ۱۳	۶۱
۶۳	قاضی صاحب کی جوابی عبارت	۶۲
۶۳	ہمارا جواب	۶۳
۶۵	دلیل ۱۴	۶۴
۶۵	قاضی مظہر حسین صاحب کا جواب	۶۵
۶۶	جواب مشتاق	۶۶
۶۸	دلیل ۱۵	۶۷
۶۸	بیان قاضی جی	۶۸
۶۸	بیان راقم	۶۹
۶۹	دلیل ۱۶	۷۰
۶۹	قاضی مظہر حسین صاحب کا جوابی بیان	۷۱
۶۹	محسّر کا بیان	۷۲
۷۱	دلیل ۱۷	۷۳
۷۱	الجواب	۷۴
۷۱	جوابی التماس	۷۵
۷۴	دلیل ۱۸	۷۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۷۷	قاضی مظہر حسین صاحب کا جواب آخر	۷۴
۷۸	ہماری معروضات	۷۴
۷۹	خلاصہ جوابات (قاضی)	۷۷
۸۰	جوابی تبصرہ	۷۷
۸۱	مروجہ ماتم کا جائز اور حرام ہونے کے دلائل از قاضی مظہر حسین صاحب	۷۹
۸۲	جوابی دلائل	۷۹
۸۳	دلیل چہارم	۸۲
۸۴	جواب	۸۳
۸۵	دلیل پنجم	۸۴
۸۶	جواب	۸۴
۸۷	جسزء کی تعریف (دلیل ششم)	۸۶
۸۸	جواب	۸۷
۸۹	دلیل ہفتم	۸۹
۹۰	جواب	۸۹
۹۱	دلیل ہشتم	۸۹
۹۲	جواب	۹۰
۹۳	دلیل نہم	۹۰
۹۴	جواب	۹۱
۹۵	دلیل دہم	۹۲
۹۶	جواب	۹۲

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۹۴	دلیل یازدہم	۹۷
۹۴	جواب	۹۸
۹۶	دلیل دوازدهم (امام حسین کی آخری وصیت)	۹۹
۹۶	جواب	۱۰۰
۹۹	دلیل سیزدہم	۱۰۱
۹۹	جواب	۱۰۲
۱۰۲	دلیل چہار دہم	۱۰۳
۱۰۲	جواب	۱۰۴
۱۰۳	دلیل پانزدہم	۱۰۵
۱۰۳	جواب	۱۰۶
۱۰۵	دلیل شانزدہم	۱۰۷
۱۰۶	جواب	۱۰۸
۱۰۶	دلیل ہفتدہم	۱۰۹
۱۰۶	جواب	۱۱۰
۱۰۷	دلیل ہشتدہم	۱۱۱
۱۰۷	جواب	۱۱۲
۱۱۰	ایک توائبات عزاداری	۱۱۳
۱۱۰	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کا کھڑ	۱۱۴
۱۱۰	شبیبہیں اور جلووس	۱۱۵
۱۱۱	خون مسیح کی زیارت	۱۱۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۱۷	یوم وفات پر جلوس	۱۱۲
۱۱۸	گوتم بدھ کا دانت	۱۱۳
۱۱۹	تابوت، تعزیر، صندوق	۱۱۳
۱۲۰	ایڈورڈ ہفتم کی وفات پر سیاہ پوشی	۱۱۳
۱۲۱	ثبوت ۱: حضرت آدم علیہ السلام کا امام حسین کی عزاداری کرنا۔	۱۱۷
۱۲۲	ثبوت ۲: ذکر شہادت حسینؑ ذاکر حبرئیلؑ، عزادار حضرت نوحؑ اور کشتی نوحؑ کا خون رونا	۱۱۸
۱۲۳	ثبوت ۳: ذکر شہادت حسینؑ کا ذکر خود خدا، سوگوار ساری کائنات، عزادار خلیلؑ خدا	۱۱۹
۱۲۴	حضرت ابراہیمؑ کی عزاداری۔	۱۱۹
۱۲۵	ثبوت ۴: غم حسینؑ میں حضرت موسیٰؑ کا خون بہنا	۱۲۱
۱۲۶	ثبوت ۵: شہادت امام حسینؑ پر خاتم المرسلین محمد مصطفیٰؐ کی عزاداری	۱۲۲
۱۲۷	ثبوت ۶: محبت حسینؑ میں اشک بہا ناتو کجا رسولؐ نے اپنے اکھوتے بیٹے کو قربان کر دیا۔	۱۲۲
۱۲۸	ثبوت ۷: غم حسینؑ میں امیر المؤمنین حضرت علیؑ اور روح اللہ جناب عیسیٰؑ کی سوگوار۔	۱۲۵
۱۲۹	ثبوت ۸: سبط اکبر امام حسنؑ اور مصائب حسینؑ پر تمام مخلوقات کی عزاداری	۱۲۸
۱۳۰	ثبوت ۹: عزادار حسینؑ سے امام حسینؑ کا وعدہ جنت	۱۲۹
۱۳۱	ثبوت ۱۰: امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کے ارشادات کہ مومن عزادار قیامت کیدن کی سختی اور دوزخ کی عقوبت سے محفوظ ہوگا۔	۱۳۰

- نمبر شمار      عنوانات      صفحہ
- ۱۳۲۔ ثبوت ۱۱۔ ذکر مصائب المہیئت گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔
- ۱۳۰۔ امام حنفی صادق کا فرمان
- ۱۳۳۔ ثبوت ۱۱۔ ماتم میں شرکت حقوق الناس میں سے ہے۔
- ۱۳۱۔ امام موسیٰ کاظمؑ کا ارشاد
- ۱۳۲۔ ثبوت ۱۱۔ امام حسینؑ کے لئے ماتم کی عام اجازت اور معصوم کا حکم
- ۱۳۵۔ ثبوت ۱۱۔ گریہ اور خدا کا حکم حکم
- ۱۳۵۔ ثبوت ۱۵۔ شہادت حسینؑ پر ملافت غیبی کی مرثیہ خوانی اور
- ۱۳۳۔ جنات کی نوحہ خوانی
- ۱۳۶۔ ثبوت ۱۱۔ غم ناک قدرتی آفات کے ذریعے عزا داری بیاوشہادت
- ۱۳۳۔ حسینؑ کو دائمی طور پر جاری رکھنا مقصود ہے۔
- ۱۳۷۔ ثبوت ۱۱۔ ابوالبشیر حضرت آدمؑ کا جناب ہابیلؑ کے لئے سمر تیرہ لکھنا
- ۱۳۴۔ اور اپنی آئندہ نسل میں اس کا ذکر جاری کرنے کی وصیت فرمانا
- ۱۳۵۔ ثبوت ۱۵۔ حضرت ابراہیمؑ کا بی بی سارہ کے لئے ماتم کرنا۔
- ۱۳۵۔ ثبوت ۱۹۔ توریت میں ماتم اور نوحہ خوانی کا خدائی حکم۔
- ۱۳۵۔ ثبوت ۲۰۔ الہامی نوحہ
- ۱۳۶۔ ثبوت ۲۱۔ مغموم اور ماتمیوں کو حضرت عیسیٰؑ کی بشارت
- ۱۳۶۔ ثبوت ۲۲۔ رونے والے مبارک ہیں!
- ۱۳۶۔ ثبوت ۲۳۔ وادیل کا جواز
- ۱۳۷۔ ثبوت ۲۴۔ بوقت مصیبت عزا داری صبر کے منافی نہیں
- ۱۳۵۔ ثبوت ۲۵۔ حضرت جعفر طیارؑ کی شہادت پر رسول ابراہیمؑ
- ۱۳۷۔ کی گریہ زاری
- ۱۳۸۔ ثبوت ۲۶۔ حضرت عائشہؓ کی حضرت ابوبکرؓ پر نوحہ خوانی

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۱۳۹	۱۴۷۔ ثبوت ۲۷۔ بیت اللہ شیبہ بیت المعمور ہے۔	
۱۳۹	۱۴۸۔ ثبوت ۲۸۔ شیبہ و تفریق بنانے کی اجازت	
۱۴۰	۱۴۹۔ ثبوت ۲۹۔ معصوم کی ماتم کے لئے وصیت	
۱۴۰	۱۵۰۔ ثبوت ۳۰۔ امام برحق کی ندبہ کے لئے وصیت	
۱۴۰	۱۵۱۔ ثبوت ۳۱۔ اہل ماتم کو نذر و نیاز کھلانا جائز ہے۔	
۱۴۱	۱۵۲۔ ثبوت ۳۲۔ رسالت مآب کا سیاہ لباس پہننا۔	
۱۴۱	۱۵۳۔ ثبوت ۳۳۔ امین الوحی حضرت جبریلؑ کا سیاہ پوش ہونا	
۱۴۱	۱۵۴۔ ثبوت ۳۴۔ حضرت عمر بن خطابؓ کا لے لباس میں	
۱۴۲	۱۵۵۔ ثبوت ۳۵۔ حضرت عثمانؓ کے غم میں سیاہ پوشی	
۱۴۲	۱۵۶۔ ثبوت ۳۶۔ کالی کھلی والے کی کالی پگڑی	
	۱۵۷۔ ثبوت ۳۷۔ وفات عمر پر حیات کی مرتبہ خوانی، سیاہ پوشی اور ماتم	
۱۴۲	۱۵۸۔ ثبوت ۳۸۔ سبط اکبر امام حسنؑ کی سیاہ پوشی	
۱۴۳	۱۵۹۔ ثبوت ۳۹۔ ابو ہریرہؓ کا ماتم	
۱۴۳	۱۶۰۔ ثبوت ۴۰۔ حضرت عمرؓ کا سر پیٹنا اور بن کرنا۔	
۱۴۳	۱۶۱۔ ثبوت ۴۱۔ حضرت عثمانؓ کے غم میں ماتم	
۱۴۴	۱۶۲۔ ثبوت ۴۲۔ اصحاب رسولؐ کا ران پیٹنا	
۱۴۴	۱۶۳۔ ثبوت ۴۳۔ حضرت حیدرؑ کا ران پیٹنا	
۱۴۵	۱۶۴۔ ثبوت ۴۴۔ رسول مقبولؐ کا ماتم میں شرکت کی اجازت دینا	
۴۵	۱۶۵۔ ثبوت ۴۵۔ حضرت آدمؑ کا پیٹ کر خون بہانا۔	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۶۶	ثبوت ۴۷۷ ابن عباسؓ کا غم حسینؑ میں نابینا ہوجانا	۱۴۶
۱۶۷	ثبوت ۴۷۸ زندہ کا غم منانے کا اجر و ثواب	۱۴۷
۱۶۸	ثبوت ۴۷۹ حضرت یعقوبؑ کا غم فرزند میں کمر خمیدہ ہونا	۱۴۷
۱۶۹	ثبوت ۴۸۰ امام زین العابدینؑ کی عزاداری داتا گنج بخش کی زبانی	۱۴۷
۱۷۰	ثبوت ۴۸۱ امام ابوحنیفہؒ کے لئے امام احمد حنبلؒ کی عزاداری	۱۴۸
۱۷۱	ثبوت ۴۸۲ خود ہی مارا خود ہی روئے !	۱۴۸
۱۷۲	ثبوت ۴۸۳ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا بلند آواز سے رونا۔	۱۴۹
۱۷۳	ثبوت ۴۸۴ اسیوں کے لئے رونا سنت نبویؐ اور سیرت شیخینؓ ہے۔	۱۴۹
۱۷۴	ثبوت ۴۸۵ حضرت یوسفؑ کا اپنے بھائیوں کو تصاویر دکھانا۔	۱۵۰
۱۷۵	ثبوت ۴۸۶ - ابو الامت علیؑ اور ام المسلمین عائشہؓ کا محمد بن ابوبکرؓ پر جزع کرنا	۱۵۰
۱۷۶	ثبوت ۴۸۷ زیارت علم مبارک اور اصحاب رسولؐ کی گریہ زاری	۱۵۱
۱۷۷	ثبوت ۴۸۸ علم کو احقرانا چومنا اور زیارت کی سعی کرنا۔	۱۵۱
۱۷۸	ثبوت ۴۸۹ توبہ دار مستحق شفاعت شفیع المذنبینؓ ہے	۱۵۲
۱۷۹	ثبوت ۴۹۰ بگو و بدخواہ عزادار کو رسولؐ کی ڈانٹ	۱۵۳
۱۸۰	ثبوت ۴۹۱ سید الساجدینؑ کا مجلس عزاء پڑھ کرنا۔ ذاکری فرمانا اور	۱۵۴
۱۸۱	گریبان چاک کرنا۔	۱۵۴
۱۸۲	ثبوت ۴۹۲ صوفی بزرگ شاہ حسن میاں پھلواری حنفی قادری کا	۱۵۵
۱۸۳	عزاداری کے لئے مشورہ	۱۵۵
۱۸۴	ثبوت ۴۹۳ بابا فرید شکر گنج کی عزاداری	۱۵۵

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
	ثبوت ۶۳ - تعزیر داری واجب ہے منیری "ماتم داری کی تعریف	۱۸۳
۱۵۶	بزبان حبیبیہ	
۱۵۶	ثبوت ۶۴ - سادات کا طریقہ سلطان اشرف سمانی کی زبانی	۱۸۴
۱۵۷	ثبوت ۶۵ - شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پندروی اور عزاداری حسین	۱۸۵
۱۵۷	ثبوت ۶۶ - بندہ تراز گیسو دراز کی عزاداری	۱۸۶
۱۵۷	ثبوت ۶۷ - تابع حسن لہری کا سوگوار ہونا	۱۸۷
۱۵۸	ثبوت ۶۸ - غم صبیحہ کے بغیر قبر میں چین نہیں!	۱۸۸
۱۵۸	ثبوت ۶۹ - امام شافعی کی مرتبہ خوانی	۱۸۹
۱۵۸	ثبوت ۷۰ - شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ	۱۹۰
۱۶۰	ثبوت ۷۱ - تبرکات و زیارات شہداء اللہ میں داخل ہیں۔	۱۹۱
۱۶۰	ثبوت ۷۲ - عزاداری آثار اسلام سے ہے۔	۱۹۲
۱۶۱	ثبوت ۷۳ - شاہ فیصل کی عزاداری۔	۱۹۳
۱۶۲	ثبوت ۷۴ - رسومات عزاداری باعثِ رحمت ہیں۔	۱۹۴
۱۶۲	ثبوت ۷۵ - گریہ میں اثر رحمت ہے	۱۹۵
۱۶۳	ثبوت ۷۶ - رنج و غصہ کی حالت میں چہرے کا سرخ ہونا۔	۱۹۶
۱۶۳	ثبوت ۷۷ - شہادتِ حسین پر اظہارِ غم بصورتِ شفق	۱۹۷
۱۶۴	ثبوت ۷۸ - طبی لحاظ سے غم و صدمہ کے وقت خون یہانا۔	۱۹۸
۱۶۴	ثبوت ۷۹ - زنجبیری ماتم کی حکمتی دلیل	۱۹۹
۱۶۵	ثبوت ۸۰ - عالم لال میں خون پر اثرات	۲۰۰
۱۶۵	ثبوت ۸۱ - خون نہ لکانا بعض امراض کا شافی علاج ہے۔	۲۰۱



صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۱۶۵	۸۲۔ مکلف شریعت عاقل و باہوش ہے	۲۰۲۔ ثبوت
۱۶۶	۸۳۔ ایام یادگار منانا۔	۲۰۳۔ ثبوت
۱۶۷	۸۴۔ اظہار تعزیت باہمی اخوت و محبت کا سبب ہے۔	۲۰۴۔ ثبوت
۱۶۷	۸۵۔ ایک بزرگہ نصیحت	۲۰۵۔ ثبوت
۱۶۸	۸۶۔ حضرت داؤد کا غم پس میں ہر روز ماتم کنا	۲۰۶۔ ثبوت
۱۶۸	۸۷۔ حضرت داؤد کا ماتم برپا کرنے کا حکم دینا۔	۲۰۷۔ ثبوت
۱۶۸	۸۸۔ قرآن مجید میں عزاداری کو حرام قرار نہیں دیا گیا ہے۔	۲۰۸۔ ثبوت
۱۶۹	۸۹۔ مخالفت عزاداری میں کوئی صحیح حدیث دستیاب نہیں۔	۲۰۹۔ ثبوت
۱۶۹	۹۰۔ عزاداری تبلیغ حق کا موثر ذریعہ ہے۔	۲۱۰۔ ثبوت
۱۷۰	۹۱۔ اگر عزاداری نہ ہوتی تو یزید بنی بن چکا ہوتا۔!	۲۱۱۔ ثبوت
۱۷۰	۹۲۔ عزاداری کی مخالفت بجائے خود اسے حق ثابت کرتی ہے۔	۲۱۲۔ ثبوت
۱۷۱	۹۳۔ عزاداری اخلاق ساز ہے۔	۲۱۳۔ ثبوت
۱۷۱	۹۴۔ عزاداری "یزیدیت" اور "حسینیت" میں امتیاز پیدا کرتی ہے۔	۲۱۴۔ ثبوت
۱۷۲	۹۵۔ حسین کی عزاداری دراصل رسول کی عزاداری ہے۔	۲۱۵۔ ثبوت
۱۷۲	۹۶۔ عزاداری سے رسول اکرم راضی ہوتے ہیں۔	۲۱۶۔ ثبوت
۱۷۳	۹۷۔ عزاداری قانوناً اور شرعاً جائز ہے۔	۲۱۷۔ ثبوت
۱۷۳	۹۸۔ ایک غیر مسلم حج کا عزاداری کے متعلق فیصلہ	۲۱۸۔ ثبوت
۱۷۳	۹۹۔ جماعت مخالفین علماء رسومات عزاداری کے آگے ہتھیار ڈال چکی	۲۱۹۔ ثبوت
۱۷۴	۱۰۰۔ رسول صادق کا صدیقہ کوئٹہ سے وعدہ۔ عزاداری لقمی نجات	۲۲۰۔ ثبوت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پیش لفظ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وآلہ الطاہرین  
دین اسلام کی قبولیت سے زندگی، پیغمبر اسلام کے اہلبیت کی مودۃ سے  
زندگی کو تابندگی، نصیب ہوتی ہے۔ بڑا خوش قسمت ہے وہ انسان جس نے اپنے  
قلب کو ان کے ذکر کے نور سے منور کر لیا ہے اور اسی روشنی میں زندگی کی منازل  
کو طے کرتا جاتا ہے۔

اسلام میں چار مہینوں کو حرمت والے مہینے اعتقاد کیا جاتا ہے (۱) ذی قعدہ  
(۲) ذی الحجہ (۳) محرم (۴) رجب۔ ان مہینوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی کفار  
عرب آپس میں جنگ و جدال روک دیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ان مہینوں میں  
لڑائی جھگڑا، فساد، قتل و غارت کو کبیرہ گناہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ ایام امن ہیں۔  
حتیٰ کہ غیروں سے بھی اس زمانہ میں جنگ منع ہے۔ چونکہ پاکستان کی اساس  
نظریۃ اسلام ہے اور نظام اسلام کے نفاذ کی کوششیں اب تیز ہو رہی ہیں لہذا  
تمام مسلمانان پاکستان کو چاہیے کہ ماہ محرم میں خصوصاً امن و امان کا لحاظ رکھیں  
ایک دوسرے کے کام آئیں۔ کسی کا دل نہ دکھائیں۔ مظلوموں کی یاد سے روح کو  
فحش نہ پہنچائیں۔ ایمان کو اخوت و محبت سے مستحکم کریں۔ اور خانوادہ رسولؐ  
کی قربانیوں سے سبق سیکھیں اور آزمائش کی گھڑیوں میں ان کے نقش قدم پر  
چلنے کا مصمم عہدہ کریں۔

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو ملت کا اتحاد و اتفاق سخت ناگوار ہے۔ شروع میں ان لوگوں نے قیام مملکت اسلامیہ کی سرطور مخالفت کی لیکن جب ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا تو اب استقام و طن ان کے سینے پر سانپ بن کر بولتا رہتا ہے۔ اور ہر وقت ان کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس ملک کو کمزور بنائیں۔ چنانچہ وہ ہمہ تن اس موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنے ناپاک ارادوں میں کامیابی حاصل کر لیں۔ لیکن افراد ملت اب بیدار ہو چکے ہیں۔ وہ خبردار ہیں لہذا بدخواہوں کے تمام حیلے اور خفیہ تدابیر خاک میں ملتی نظر آتی ہیں۔ عزاداری سید الشہداء علیہ السلام اسلامی اتحاد و اخوت کا ایک اہم جزو ہے۔ لیکن اتفاق و تنظیم کے دشمن محرم الحرام کے مہینے میں خدا کے حکم کے خلاف اس جزو اتحاد کے خلاف زیر افشاں کر کے فسادات و بد امنی کے اسباب پیدا کرتے رہتے ہیں حالانکہ نہ ہی ہم نے کسی کو کبھی شریک عزائفت کی دعوت دی ہے اور نہ ہی ہماری عزاداری سے کسی غیر کو کوئی نقصان ہوتا ہے۔

شیطان تلک رنگ کی طش سے ایک چور قہ نام ”ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟“ شائع ہوا جس میں مشہر جناب ذاکر غلام عباس (بی۔ اے) نے اٹھارہ دلیلیں تحریر کئے بتایا کہ ہم شیعہ ماتم کیوں کرتے ہیں۔ اس پمفلٹ میں نہ ہی کسی فرد پر تنقید کی گئی ہے اور نہ ہی کوئی ایسا جملہ ہے جو کسی بھی مکتب فکر کے لئے باعث شورش یا خلاف رواداری ہو۔ بلکہ ذاکر موصوف نے اپنے موقف کو انتہائی سلیقہ مندی و اختصار کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے پیش کیا ہے جو ان کا اخلاقی و شہری ہی نہیں بلکہ دینی و شرعی حق تھا۔

قاضی مظہر حسین صاحب امیر خدام اہل سنت و الجماعہ چکوال جن کو شیعوہ مذہب کے خلاف زبردستی کی عادت ہو چکی ہے معلوم نہیں کس وجہ سے ان چار ورقوں کو برداشت نہ کر سکے لہذا اڑتالیس صفحات میں ایک کتابچہ نام ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“

لکھ کر ذکرِ حسین کے خلاف اپنے بعض وعناد کا اعلانیہ مظاہرہ کیا۔ اس ناشائستہ اور کمزور دلائل سے بھرپور کتابچہ کا دندان شکن جواب تو چکوال ہی سے انجمن حیدری بھون روڈ کی جانب سے آغا سید واصف حسین صاحب نقوی مدظلہ نے "فلاح الکونین فی عزاء الحسین" کی شکل میں دے کر شیعہ قوم پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ ۱۹۷۳ء کی شائع شدہ یہ کتاب تادم تحریر لا جواب ہے اور قاضی صاحب نے اس کا جواب دینے کی جرات نہیں کی ہے۔ تاہم اپنی کتاب ہر سال شائع کرتے ہیں مگر جواب کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ مسکت و مدلل کتاب کی موجودگی میں دوسرا جواب لکھنا ضروری تو نہیں ہے مگر بعض ناقابلِ نظر انداز وجوہات کی بناء پر کتاب ہذا کی اشاعت ضروری سمجھی گئی ہے۔ امید ہے کہ یہ سعی قابلِ قبول ہوگی۔

مصنف

# شکوہ

از قلم: جنابے مومن علیٰ حیدری (جہلم)

شکوہ ہے مجھے اُن سے جو ماتم نہیں کرتے ۛ  
 نبتے ہیں محبِ چشم کو پر غم نہیں کرتے ۛ  
 ممکن نہیں دل روتا ہوا راتِ شگِ پتلیں ۛ  
 دعویٰ محبت ہے تو کیوں غم نہیں کرتے ۛ  
 ہم کیسے سمجھ لیں غمِ شبیر ہے دل میں ۛ  
 جو لوگ کہ تعظیمِ محمدؐ نہیں کرتے ۛ  
 غم دل میں اگر ہوتا تو انہما رہی ہوتا ۛ  
 تم کیسے عزا دار ہو ماتم نہیں کرتے ۛ  
 افسوں کوئی ان آنکھوں پہ تم دم نہیں کرتے ۛ  
 فطرتِ جنہیں سواتی ہے احباب کے غم میں ۛ  
 جب دل پر لگے چوٹ تو پھر ضبط کہاں ہو ۛ  
 فریادِ ستم دیدہ کبھی کم نہیں کرتے ۛ  
 احباب کی آپس میں جب ہوتی ہے جدائی ۛ  
 وہ اشکِ فشانِ بھلا کیوں کم نہیں کرتے ۛ  
 پتھر کا کلیجہ کرو، فطرت کو بگاڑو ۛ  
 پھر کہنا کہ ہم زندوں پر ماتم نہیں کرتے ۛ  
 کیا زندہ جاوید نہ تھے حضرتِ حمزہؑ؟ ۛ  
 کیوں فاطمہؑ نے باپ کے مرنے پر ہلاکی؟ ۛ  
 کیوں فاطمہؑ نے باپ کے مرنے پر ہلاکی؟ ۛ  
 ازواج کے کیوں لاشِ نبیؐ پر نہ کہا یہ؟ ۛ  
 ہامیل کے کیوں غم میں لگا کرتے تھے آدمؑ؟ ۛ  
 ہامیل کے کیوں غم میں لگا کرتے تھے آدمؑ؟ ۛ  
 قانونِ فطرت کے یہ کیوں طعنہ زنی ہے ۛ  
 اس ضبط کے قربان پئے جاتے ہو آنسو ۛ  
 مومن کی یہ نظم اُن کو سنا دے کوئی جا کر ۛ  
 جو زندہ جاوید کا ماتم نہیں کرتے ۛ

# ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟

اس لئے کہ :- ہم حساس دل ہیں سنگدل نہیں مظلوم ہیں ظالم نہیں۔  
مقتول ہیں قاتل نہیں۔ لئے ہوئے ہیں لیٹے نہیں۔ دوست ہیں دشمن نہیں۔  
اللہ کے فضل و کرم سے ہم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے  
تعلیم کئے ہوئے حقیقی دین اسلام پر قائم ہیں۔ اور ولی کل حضرت امیر المومنین علی  
علیہ السلام کی ولایت کی بدولت نعمت ایمانیہ سے مشرف ہیں۔ مؤدۃ القربى جیسی  
متاع عظیم سے مالا مال ہیں۔ ہمارے اسلام و ایمان کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہم محمد و  
آل محمد علیہم السلام کی خوشی سے چھوٹے نہ سمجھیں۔ ان کی غضبناکی کے اتباع میں ناراض  
ہوں۔ اُن کے غم کو اپنے آلام پر ترجیح دیں۔ ہمارا ماتم کرنا اور عزاداری کی دیگر رسوم  
کو بجالانا اسی بنیادی تقاضے کے ماتحت ہے کہ محبوب کی خوشی میں خوشی مناتے ہیں،  
اور اس کے غم میں غم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ہم سن کر ایمان لائے ہوئے اندھے گونگے بہرے نہیں ہیں۔ بلکہ ہم نے  
اسلام کو عقلاً فطرت سے ہم آہنگ پایا ہے۔ ہمارا اسلام دین فطرت ہے۔ اور  
فطرت انسانیہ تو ربی ایک طرف، کائنات کی ہر شے (جاندار و غیر جاندار)  
عالم مصیبت میں غمگین دکھائی دیتی ہے۔ غم و اندوہ کے مواقع پر انسان تو مفلوج ہو ہی  
جاتا ہے اور اسٹک روانی بھی ہوتی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہابیل کے خونِ ناحق  
میں پیار کے پتھر کے آنسو جاری ہوئے۔ آج بھی دمشق میں پتھر کی روتی ہوئی آنکھ  
موجود ہے۔ بنی آدم کا نوحہ و فریاد تو عام مشاہدہ میں ہے لیکن ہم دیکھ سکتے ہیں کہ  
پیرندے بھی مقاماتِ سوگ میں آہ و فغاں کرتے ہیں۔ سانحہ پُر ملال پر ہمیں گلیاں بازار

بھی سونے دکھائی دیتے ہیں۔ فضائل پر سناٹے طاری ہو جاتے ہیں اور یہ تمام امور شدت و کیفیتِ غم کے مطابق رونما ہوتے ہیں۔ جتنی بڑی مصیبت ہوتی ہے اتنا بڑا غم ہوتا ہے۔ پس جس قدر غم ہوتا ہے اسی اعتبار سے اظہارِ غم بھی کرتے ہیں۔ ہم عشقِ حقیقی کے امتیازوں سے واقف ہیں اور ہمارے بزرگ ان امتیازوں کو اعزازی اسناد کے ساتھ پاس کر چکے ہیں۔ ہم وہ لذت جانتے ہیں جو اپنے محبوب کے غم میں نصیب ہوتی ہے۔ لہذا ماتم کر کے جو مزا آتا ہے وہ غیر دردِ آشنا کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔

کارخانہ پرستی کے تمام معاملات اضافت و اعتبارات پر قائم ہیں۔ نسبت ہی سے عزت و عظمت و محبت کے مراتب میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ لہذا ماتم حسین جو عزاداری کی اہم رسم ہے۔ اسے بجا لا کر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریکِ غم ہوتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ حضورؐ اپنے نواسے کی زندگی ہی میں محض خبرِ شہادت پر محزون ہو گئے۔ ہم ماتم اس لئے کرتے ہیں کہ تالانِ حسین اور اُن کے ہمدرد و رفقا ہمیشہ ہی رہ جاتے رہے ہیں تذکرہ شہادتِ حسین بند ہو جاتے مگر اللہ کا وعدہ ہے یہ ذکر ہمیشہ جاری رہے گا لہذا ماتم ہی ایک ایسا ذریعہ تبلیغ ہے جو ظالم و مظلوم میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔ مظلوم کے لئے محبت و ہمدردی کے جذبات کو پیدا کرتا ہے اور ظالموں کے خلاف نفرت و حقارت میں اضافہ کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے ماتم کے مخالفین اس کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ قاضی مظہر حسین صاحب "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" کے مسئلہ پر لکھتے ہیں۔

**مروجہ ماتم** "جگر گوشہ بتول نواسہ رسول۔ جو انانِ حنیت کے سردار حضرت امامِ سنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادتِ کربلا کی بنیاد پر ہر سال ماتمی ٹولہ جس طرح

مجلسِ ماتم برپا کرتا ہے اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے۔

سیاہ کپڑے پہننا، زبان سے ہائے حسین ہائے حسین پکارتے ہوئے منہ پٹینا، سینہ کو بج کرنا۔ ترنجیروں اور چھیروں سے اپنے سینوں کو لہو لہان کرنا (اور جو ان زخموں کی تاب نہ لا کر مر جائے اس کو شہید قرار دینا) تابوت۔ تعزیہ اور دلدل (ذوالجناح) کا جلوس نکالنا وغیرہ۔

اس قسم کے مروجہ ماتم کو عبادت ماننے والوں پر یہ لازم تھا کہ قرآن شریف حدیث شریف سیرۃ انبیاء اور سیرت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ماتم کی مروجہ شکل و صورت کو ثابت کرتے لیکن جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سے تو یہ ماتم کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا پھر خدا جانے شا کر صاحب تعلیم یا ذمہ ہو کر اس بے بنیاد اور انتہائی غیر موزوں رسالہ کو کیونکر موزوں قرار دے رہے ہیں۔ بہر حال مذکورہ دلائل کا نمبر وار جواب حسب ذیل ہے :

قاضی صاحب کے اس مطالبہ کو آئندہ صفحات میں پورا کر دیا جائے گا۔ پہلے ہم ذکر غلام عباس صاحب کے دلائل پر قاضی جی کا جوابی تبصرہ نقل کر کے اپنے معروضات پیش کرتے ہیں۔

## دلیل نمبر

اللہ تعالیٰ قرآن مجید پارہ ۱۳ سورہ یوسف ۸۴ میں فرماتا ہے ”اور اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگا ہائے انوس یوسف پر اور غم و اندوہ کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں“ ثابت ہوا کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹے یوسفؑ کے فراق کے غم میں رو رو کر اپنی آنکھیں سفید کر دیں۔ حالانکہ آپ نبی تھے اور جانتے تھے کہ حضرت یوسفؑ زندہ ہیں۔ اللہ نے اس عمل کو پسند فرمایا۔ دوسری طرف حضرت یوسفؑ بھی اس بات کو جانتے تھے اور انہوں نے اپنی ٹھیک



روانہ کی جس کو حضرت یعقوبؑ نے اپنے چہرہ مبارک پر ملا تو انہیں دوبارہ نظر حاصل ہو گئی۔

(ہم ماتم کیوں کرتے ہیں ص ۳۱)

وَاَبْيَضَّتْ عَيْنَاكَ مِنَ الْحُزْنِ فَهِيَ كَتَلِيمٌ (القرآن)

## قاضی صاحب کا جواب

”اور آپ کی آنکھیں حُزْن (غم) سے سفید ہو گئیں۔ پس وہ غم کو اپنے اندر روکنے والے تھے۔“

ماتمی رسالہ میں فقہ کتلیم کا ترجمہ اسی لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ اس سے ماتم نہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ کتلیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں بہت صدمہ ہو، لیکن صبر کی وجہ سے وہ اس کا اظہار نہ کر سکے اور یہی وہ صبر جمیل ہے جس کا اعلان آپ نے اس وقت کیا تھا جب بھائیوں نے یہ جھوٹی خبر دی تھی کہ یوسفؑ کو بھیل یا کھا گیا ہے۔“

(۲) آیت میں نہ منہ پٹینے کا لفظ ہے نہ سینہ کو بی اور ماتم کا بلکہ صرف حُزْن کا لفظ ہے جس کا معنی صدمہ و غم و اندوہ ہے۔

(۳) حضرت یوسفؑ کے فراق کا صدمہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو مسلسل رہا۔ لیکن جب دور فراق ختم ہوا اور آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے تحت مصر پہنچنے کی بشارت ملی تو پھر آپ کا غم بھی جاتا رہا اور آنکھوں کی روشنی بھی واپس لوٹ آئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب تک کسی محبوب کی مصیبت باقی ہو اور اس کا صدمہ لاحق رہے لیکن صبر کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے تو یہ غم غیر اختیاری غم و اندوہ گناہ نہیں اور جب وہ مصیبت ختم ہو جائے تو پھر غم بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میدان کربلا میں حضرت امام عالی مقام اور آپ کے اعزہ و احباب پر جو مصیبت نازل ہوئی وہ وقتی تھی شہادت کا درجہ پانے کے بعد جب آپ کو جنت مل گئی تو پہلی مصیبت ختم ہو گئی۔

اب شہدائے کربلا کی روحوں کو حبیب کی بات قرآنی جنت کا رزق ملتا ہے۔ اور وہ وہاں خوش ہیں تو اب رونے اور ماتم کرنے کا کیا موقع ہے۔ ہم تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں کہ جب تک آپ مصیبت میں مبتلا تھے اس وقت بھی صبر کیا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند مقام کی اشارت ملی تو پہلا غم بھی بالکل ختم ہو گیا۔ مصر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ کیا ماتیوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں ہے۔ اور اب کبھی بھی سمجھتے ہیں کہ جنت میں بھی وہ مصیبت میں ہیں۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی سلطنت ملنے کے بعد بھی کیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس گدڑی ہوئی مصیبت کی یادگار میں ہر سال غم کی مجلس منعقد کی تھی؟

(۵) حضرت حسین کے لئے کربلا ایک بہت بڑا ایمانی امتحان تھا۔ جس میں آپ اعلیٰ نبیوں میں پاس ہوئے تو اب واہ واہ حسین امام کربلا کی شان کے مناسب ہے یا ہائے حسین ہائے حسین۔ جو امام عالی مقام کو پاس سمجھتا ہے وہ واہ واہ کرے اور جو نعوذ باللہ ذلیل سمجھتا ہے وہ ہائے ہائے کرتا رہے۔

”نگاہ اپنی اپنی پسند اپنی اپنی“

(۶) پاکستان میں کتنے ماتی ایسے ہیں جو امام حسین کے غم میں اندھے ہوئے ہیں؟

## جواب الجواب دلیل نمبر

۱۔ آغا سید واصف حسین صاحب نقوی نے ”فلاح الکونین فی عزاء الحسین“ میں قاضی صاحب کو بڑا عمدہ جواب دیا ہے اور میرا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ اُسی کو دُبرا دوں۔ آغا صاحب تحریر کرتے ہیں کہ یہ قاضی صاحب کی غلط فہمی ہے کہ فہو کظیم کا ترجمہ ذکر غلام عباس صاحب نے اس لئے ترک کر دیا کہ اس سے ماتم

نہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ بے شک کظیم کے معنی غم و غصہ کو ضبط کرنے والا ہیں مگر قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب نے اس غم کو دور نہیں کیا تھا۔ وہ ہمیشہ زبان اور آنکھوں سے اس جدائی کا اظہار کرتے رہے۔ چنانچہ قاضی جی کے ہم مسلک مولوی اشرف علی تھانوی فہو کظیم کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ یعقوب غم سے جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے۔ یہی ترجمہ حقیقت پر مبنی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اس کی تصدیق کرتا ہے۔ برادرانِ یوسف کی اپنے باپ سے گفتگو کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ”بجز اِملوم ہوتا ہے کہ تم سدا کے سدا یوسف کی یادگاری میں لگے رہو گے، یہاں تک کہ کھل کھل کر دم برب ہو جاؤ گے یا یہ کہ بالکل ہی مر جاؤ گے“ (ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی)

قرآن مجید میں محفوظ یہ کلام ثابت کرتا ہے کہ حضرت یعقوب اس درجہ سوگوار تھے کہ شبِ غم دیکھ کر بیٹوں کو باپ کی ہلاکت کا خطرہ لاحق تھا۔ حضرت یعقوب کا حزن و ملال 'سرخ و لم' اس پر دال ہے کہ آپ کا یہ غم بطورِ نذر تھا، جو باؤ از بلند کیا جاتا ہے۔ یا سخی علی یوسف۔ بڑے افسوس یوسف پر! جب بیٹوں نے آپ کی عزاداری پر اعتراض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ”میں تو اپنے سرخ و غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے“

پس از روئے قرآن ہی ثابت ہے کہ حضرت یعقوب نے اس قدر گریہ و بکا کیا کہ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور قریب بربلاکت ہو گئے۔ اب قابلِ غور امر ہے کہ اس شبِ اظہارِ سوگوار کی اللہ تعالیٰ نے یعقوب کی اس عزاداری کو صبرِ جمیل فرمایا۔ لہذا یہ خیال قرآن کے برخلاف ثابت ہوا کہ اظہارِ غم میں سے سوگوار ہونا یعنی عزاداری کو صبر کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رونے دھونے سے یعقوب کو کبھی بھی منع نہ کیا۔ لہذا قاضی صاحب کا یہ خیال قطعاً خلاف قرآن ٹھہرا کہ کظیم کے معنی اس شخص کے ہیں جو دل کے صدمہ کا اظہار نہ کرے۔ بلکہ

اس کے معنی ضبط و برداشت کرنے کے ہیں۔ جس سے عزاداری کا مفہوم متاثر نہیں ہوتا ہے۔

اس قصہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ یعقوبؑ کے غم کا باعث بننے والے ہی آپؑ کی عزاداری پر معترض ہوتے تھے لہذا غور فرمائیں اب عزاداری کے مخالفین کا شمار کس جماعت میں کیا جاسکتا ہے؟

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب  
کا تفسیری حاشیہ

کسی مصیبت پر رونا اور مغموم و  
محزون ہونا صبر و ثواب کو ضائع نہیں  
کرتا۔ اس لئے کہ یہ مقتضیات بشریت

سے ہے۔ جیسا کہ منہج کی حدیث میں ہے کہ آپؐ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی  
عیادت کو آئے۔ انہیں بے ہوش پا کر روئے۔ حاضرین حضورؐ کے رونے سے  
رو پڑے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اشکِ حشیم و حزنِ دل پر عذاب نہیں کرتا  
یعنی شکایت و کلماتِ خلاف سے نوحہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے۔  
(مترجم قرآن مجید مولوی اشرف علی تھانوی مطبوعہ ملک دین محمد انڈسٹریل سٹریٹ لاہور ص ۳۹)

”صبر کے معنی اہل سنتہ حکیم الامت مولوی  
اشرف علی تھانوی کی زبان سے

آیت ۸۶ کی تفسیر کے حاشیہ  
میں ”صبر“ کے معنی حضرت یعقوبؑ کے نزدیک یوں لکھتے ہیں کہ جب ان کے بیٹوں  
نے باپ کی عزاداری پر اعتراض کیا تو انہوں نے یہ سمجھایا کہ :-

”یعنی تم کیا مجھ کو صبر سکھاؤ گے لیکن بے صبر وہ ہے جو خلق کے  
آگے شکایت کرے خالق کی تو میں تو اس سے کہتا ہوں جس نے درد دیا  
اور یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد تک پہنچ کر  
بس ہو۔“ (مترجم قرآن مجید مولوی تھانوی حوالہ مذکور)

## مولوی شبیر احمد عثمانی کی تفسیر

جید عالم مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی اس  
واقعہ کی تفسیر میں حاشیہ لکھتے ہیں کہ "نازح  
کھا کر پرانا زخم ہرا ہو گیا۔ اور بے اختیار پکار

اُٹھے یَا سَفَنَّا عَلٰی یُوسُفَ۔ ہائے افسوس یوسف پر!"

اب ایمان سے فیصلہ کیا جائے کہ جب مخالفین یا وحشیوں پر پابندی لگانے  
کی کوشش کرتے ہیں اور ذکرِ حسین کرنے پر اعتراض کرتے ہیں تو حسین کے  
جباروں کا پرانا زخم ہرا ہوتا ہے یا نہیں۔ پس اگر ہم یا حسین، ہائے حسین،  
مظلوم حسین کہہ کر اپنے غم کا اظہار کرتے ہیں تو یہ اتباعِ سنتِ یعقوب ہے۔  
اور اس کی مخالفت نبیِ برحق کی سنت کی مخالفت ہے لہذا مخالفِ سنت کو اہل سنت  
کہہ دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔

## لفظِ "حُزْن" کی تشریح

تو معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دامن میں ماتم کا ایک بحرِ بیکراں موجزن ہے۔  
جس میں آہ و فغاں، نالہ و فریاد گریہ و ماتم سب سمیٹے ہیں۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام  
کا حزن جسے آپ معمولی غم و اندوہ کہہ کر نظر انداز کر سہے ہیں۔ نگاہِ قرآن میں  
اس قدر غیبِ معمولی اور شدید تھا کہ اسی غم میں پیغمبر کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اللہ کا  
نبی قریب المرگ ہو گیا۔ عزاداری کی ایسی انتہائی کیفیت بیان کرنے کے بعد ماتم،  
سلینہ زنی وغیرہ کا تذکرہ بلاغتِ کلام کے منافی ہو جاتا کیونکہ جب کہا جائے کہ مہانوں  
کو کھانا پیش کیا گیا اور انہوں نے سیر ہو کر کھایا۔ تو اس سے مطلب یہ ہو گا کہ  
کھانا دسترخوان پر چُنا گیا۔ خورد و نوش کے لوازمات سامنے رکھے گئے۔ پانی پیش کیا  
گیا۔ مہانوں نے حسبِ آداب تناول کیا اور میزبانوں نے قواعد کے موافق اہتمام کیا۔  
اس پورے بندوبست کی تمام اصنافِ کیفیات نظر انداز کر کے محض کھانا کھانا از خود  
یہ معنی پیدا کر دے گا تمام مطلوبہ موادینِ افعال سرزد ہونے کے بعد ایک مجموعہ افعالِ فعل

”کھانا“ وجود میں آیا۔ پس جب خدا نے یعقوبؑ کے صدمے کی اتنی شدت بیان کی کہ اُن کی ہلاکت کا خدشہ پیدا ہونے لگا تو پھر ماتم وسینہ کو بڑی جیسے کمتر افعال کے بیان کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ لہذا حضرت یعقوبؑ کی عزاداری کے مقابلہ میں سارا ماتم کر لینا کچھ حیثیت ہی نہیں رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک نبیؐ برحق معصوم کا ایک نبیؐ زادہ کے غم میں ماتم کرنا اس امر کے جواز کی دلیل ہے کہ آہ و فغاں، اگر یہ و بلا کا کرنا حضرت یعقوبؑ کی سقت ہے مذموم فعل نہیں۔

واضح ہو کہ قاضی صاحب نے خود ماتم کے مفہوم میں ہائے حسین پکارتے اور سینہ زنی و سیاہ پوشی وغیرہ کو معاذ میں ماتم و عزاداری تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح قاضی صاحب یہ بھی ملتے ہیں کہ ”جب تک کسی محبوب کی مصیبت باقی ہو اور اس کا سد مدہ لاحق رہے لیکن صبر کے غلات کوئی حرکت نہ کرے تو یہ غیر اختیاری غم و اندوہ گناہ نہیں۔“

لہذا ہم کہتے ہیں کہ عزاداری حرام نہیں ہے اور چونکہ اہل بیت رسولؐ ہمارے محبوب ہیں اور اُن پر مصیبت باقی ہے ان کی زندگیاں پر مصائب رہیں اور بعد میں لوگوں نے اُن کے نام لینے اور ذکر کرنے کو حرام قرار دے کر اُن کو رنج و صدمہ پہنچایا جو ابھی تک جاری ہے لہذا ہمارا محزون و مغموم ہونا ہرگز گناہ میں شمار نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کی شان اور حق کا بول بالا ہے کہ قاضی جیسے کٹر مخالف عزاداری نے اعتراف جواز کو سپرد قلم کر دیا۔

۳۔ وقتی صدمہ | بے شک شہدائے کربلا نے وقتی طور پر مصائب اُٹھائے اور بعد میں جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوئے لیکن یہ خیال

کہ ان کے مصائب پر اب سو گوار ہونا درست نہیں قطعاً باطل ہے۔ اس لئے کہ سنت رسالتؐ کا یہ ہے کہ آپؐ اس سانحہ پُر لال کے وجود میں آنے سے قبل ہی عزادار ہوتے رہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کے باب مناقب اہل بیت میں ہے کہ

”ام الفضل زوجہ حضرت عباسؑ سے مروی ہے کہ میں ایک دن رسولؐ خدا کی خدمت میں امام حسینؑ کو جبکہ وہ ایک دن کے تھے لے کر حاضر ہوئی اور حسینؑ کو حضورؐ کی گود

میں دیا۔ میں نے آپ کی طرف دیکھا آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں نے عرض کیا حضورؐ یہ گریہ کیسا فرمایا پیسے پاس جبریل آئے اور انہوں نے خبر دی کہ میری اُمت میں اس بیٹے کو قتل کر دے گی۔“

عزاد اُمت | اسی طرح ملا حسین واعظ کاشفی اپنی کتاب ”روضۃ الشہداء“ میں روایت لکھتے ہوئے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ:-

”ام الفضل کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ’اے فاطمہ! یہ حادثہ حسینؑ کے بچپن میں نہ ہوگا بلکہ اس وقت ہوگا جبکہ نہ میں ہوں گا اور نہ تم ہوگی، نہ علیؑ ہوں گے اور نہ حسنؑ۔ یہ سن کر جناب سیدہ بے حد بے تاب ہوئیں اور کہا۔ اے مظلوم پسر! اے تبکیں فرزند جبکہ اس وقت تیرے جد و پدر، مادر و برادر نہ ہوں گے تو کون ہوگا جو اس وقت تیری مصیبت کی تعزیت بجالائے گا۔ راوی کہتا ہے کہ ہاتھ نے آواز دی حسینؑ کا ماتم مصیبت زدگان اُمت قیامت تک برپا رکھیں گے اور ہر سال جب وہ وقت آئے گا جس میں حسینؑ شہید ہوں گے تو وہ تعزیت حسینؑ کو تازہ کیا کریں گے اور شرط مصیبت کو بجالایا کریں گے۔“

اب صاحبان انصاف فیصلہ فرمائیں وہ اُمت کا کون سا گروہ ہے جو ہر سال تعزیت حسینؑ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ کیا یہ وہی ماتمی ٹولہ نہیں جو شرط مصیبت بجالاتا ہے جس کی مخالفت کر کے آپ سیدہ مظلومہ کی دلازاری کرنے کی جرات کرتے ہیں۔

پس امام حسینؑ کی دنیوی زندگی میں رسول کریمؐ کا سرخ و اہل اور گریہ و بکا اس امر کی بین دلیل ہے کہ حضورؐ امام مظلوم کی شہادت سے مابعد کی وہ حیات جس کو ہم اور آپ سمجھ ہی نہیں سکتے حسینؑ پر گریہ و بکا، نوحہ اور ماتم کرنا حرام نہیں بلکہ سنت رسولؐ ہے۔ سنت نبویؐ کو ناجائز اور حرام کہنا کسی بھی دعویدار اہل سنت کو زیب نہیں دیتا ہے۔

۴۔ یادگارِ غم | یہ انسانی نطرت ہے کہ ایام مصیبت گزر جانے کے بعد بھی جب انسان کو گذری مصیبت یاد آتی ہے تو اسے حزن محسوس

ہوتا ہے۔ اور اکثر اپنے احباب و رفقاء کے سامنے اس پُر ملال واقعہ کا تذکرہ کرتا رہتا ہے۔ اسی فطری تقاضے کے تحت دنیا والے اپنے عز و اوقرباء دینی و دنیوی راہنماؤں اور بزرگوں کے ایام مناتے ہیں۔ آج کے دور جدید میں بین الاقوامی سطح پر ایسے دن منائے جاتے ہیں۔ مثلاً یکم مئی کو یوم مئی مناکر شکار کا گو کے محنت کنٹرل، پرنٹلم کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کا دن صنت رکھو والے یا خویش واقارب مناتے ہیں، کسی کا صنت اس کے پیروکار اور کسی کا ساری دنیا۔ اسی فطری تقاضے کے پیش نظر جب حضرت یوسفؑ کی جدائی والدین آتا ہوگا یا کبھی حضرت یعقوبؑ کی نظر شجرۃ الوداع پر پڑتی ہوگی تو یعقوبؑ کو ضرور اپنی مصیبت یاد آتی ہوگی۔ ایک عام درخت کہ جہاں سے یوسفؑ کو وداع کیا گیا تھا، گا اس قدر مشہور ہو جانا کہ اس کا نام ہی شجرۃ الوداع ہو گیا۔ اگر یادگار نہیں ہے تو پھر کیا ہے۔ جب ہزاروں سال بیت جانے کے بعد شجرۃ الوداع کا نام آتے ہی قسّمہ یوسفؑ کے نقوش ذہن پر ابھر آتے ہیں تو کیا جب کبھی بھی یعقوبؑ اس کو دیکھتے ہو گئے تو وہ اپنی مصیبت کو یاد نہ کرتے ہوں گے۔ کوئی اسے مانے یا نہ مانے بہر حال فطرت اس کی تائید کرنے پر مجبور ہے۔

## شہدائے ہر سال یاد منانا سنتِ رسولؐ بھی ہے اور طریق اصحابؓ

### مثلاً شہدائے ہر سال بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے ہر سال تشریف لاتے تھے۔ جب پہاڑ کے درّہ پر پہنچتے تو (شہدوں کو مخاطب کر کے) فرماتے ”السلام علیکم، بما صبرتم“ یعنی تمہارے صبر کے باعث تم پر سلامتی ہو۔ اور اس کے انجام میں تم بہت عمدہ مقام پر پہنچے ہو۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ بھی (ہر سال) آتے تھے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کا کام بھی یہی تھا۔ اور پھر حضرت عثمانؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔“



(البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد ۷ ص ۷۷ مطبوعہ بیروت)  
 قاضی صاحب توحضت یعقوب کے بارے میں ہر سال یادگار منانے کا سوال کرتے ہیں جبکہ حضرت یوسفؑ بظاہر شہید نہ ہوئے بلکہ زندہ مل گئے۔ مگر یہاں اشرف الانبیاء، سنی صدیق اکبرؑ فاروق اعظم اور ذوالنورین حبیبیؑ بڑی ہستیاں ہر سال شہدائے احد کی یاد منانی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر دیکھنے کے لئے آنکھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح حسنؑ اور خنساءؑ اہلسنت جلوس کی شکل میں ہر سال شہداء کی قبروں پر جلتے تھے۔ اسی طرح ہمارا بھی جی چاہتا ہے کہ ہر سال ایام محرم میں کربلا معلیٰ جاکر سید الشہداءؑ اور ان کے اصحاب کی زیارت کے لئے جائیں۔ اس خواہش کی تکمیل ہم مانتی جلوس نکال کر حسب استطاعت گریہ و ماتم سے ان عاشقانِ حقیقی کو سلام اور نذرانہ پیش کرتے ہیں اس لئے کہ اگر کوئی اچھا کام پورا نہ ہو سکے تو کم سے کم اس کا جس قدر بھی ہو سکے کر لینا بہتر ہے۔ اب اگر اس اچھائی کو کوئی اچھا نہ جانے تو اس کا سبب محض عداوتِ حسینؑ اور بغضِ آلِ رسولؐ ہی ہو سکتا ہے۔

## ہائے حسین یا واہ حسین

۵۔ بلاشبہ امام حسینؑ نے کربلا کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا اور اس کامیابی پر انہیں واہ حسینؑ کہنا پڑتا ہے۔ لیکن جس ایثار و قربانی اور محنت کے عوض آپ کو یہ کامیابی حاصل ہوئی وہ معلوم کر کے ہائے حسینؑ بے اختیار منہ سے نکل جاتا ہے۔ اور یہ تقاضائے بشریت ہے کہ کسی کا نامہ کے سرانجام دینے پر شخص کامران کو پیش آنے والے خدمات پر افسوس کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ اس کی ظفریانی پر اسے ہدیہ تبریک پیش کیا جاتا ہے۔ ہماری عزاداری بیک وقت دونوں تقاضے پورے کرتی ہے۔ ایک طرف کامیابی پر دادِ تحسین کے حقوق ادا کرتی ہے تو دوسری جانب آلام و مصائب پر تعزیت کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

بنی نوع انسان کا ہر طبقہ اس سے عملاً اتفاق کرتا ہے کہ جب کوئی بھی شخص کسی فلاحی مقصد کے لئے جان جو کھوں میں ڈال کر کامیابی حاصل کرتا ہے تو اس کے چھیلے ہوئے مصائب و صعوبات کو یاد رکھا جاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی جان پر کھیل کر اپنے نیک مقصد میں کامران ہوتا ہے تو اس کے ایشار جاتی کو ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا جاتا ہے۔ اور اظہارِ تعزیت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا ہے۔ اس غم گساری اور ماتم داری سے نہ ہی اس کی کامیابی پر کوئی اثر پڑتا ہے اور نہ ہی سوگواروں پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ غمزدہ ہونے کی وجہ سے اس کی حاصل کردہ کامیابی پر ناخوش ہیں۔ پاکستان میں ۶۵ء کی جنگ اور اس کے سانحہ میں پاک افواج کے جن بہادر جوانوں نے ملک کی حفاظت کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمائے اُن کو جی بھر کر قوم نے نذرانہ سلام پیش کیا۔ مگر ہم نے خود ڈی۔ وی پر دیکھا کہ اُن کے لواحقین کے اُسو بہہ رہے تھے اور شیطانی مغموم تھیں۔ اسی طرح ملکی اخبارات نے اگر اُن کی شجاعت کو واہ واہ کہہ کر دادِ تحسین دی تو اُن کے بچھڑ جانے پر ملے افسوس بھی کہا۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ اس سے انکار محض ہٹ دھرمی ہوگا۔

اہل سنت حضرات اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا۔ لہذا صحابہ کو چاہیئے تھا کہ اُن کے مرتبہ شہادت پر فائز ہونے کی خوشی میں اظہارِ مسرت کرتے مگر راوی کہتا ہے کہ ”جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو لوگوں پر اتنا غم طاری ہوا کہ انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔“ جناب عباس (بن عبد المطلب) نے کہا کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور حضرت ابو بکرؓ کی موت ایک مصیبت تھی۔ لیکن جس طرح ہم ان کے انتقال کے بعد بھی کھاتے پیتے رہے اسی طرح عمرؓ کی وفات کے بعد بھی کھائیں گے۔ پھر انہوں نے خود بھی کھایا

اور بعد میں لوگوں نے بھی کھانا کھایا۔

(تاریخ بغداد جلد ۱۲ ص ۳۵)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اصحاب نے غم کے موقعوں پر ملول ہو کر کھانا پینا تک ترک کر کے سوگواروں کی اور حضرت عمرؓ کے انتقال پر حضرت عباس بن عبدالمطلب نے لوگوں کو کھانے پینے کی طرف رغبت دلائی۔ اسی طرح اصحاب نے وفات عمرؓ پر بن بھی کئے جیسا کہ مشہور علامہ المحدث مولوی وحید الزماں حیدر آبادی نے تحریر کیا ہے کہ:-

”قال اولى القري بعد وفات عمر يا عمر ا لا يا عمر ا لا“ یعنی حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد (عاشق رسول) خواجہ اولیں قریؓ نے یا عمر ا لا یعنی ہائے عمر، ہائے عمر، ہائے عمر کہہ کر بین کئے۔

(ہدیت المہدی جلد ۱ ص ۲۳ مطبوعہ دہلی)

اگر معترض کہے نظریہ کے مطابق شہید کے لئے ہائے کی بجائے صرف واہ کہنا درست ہے تو پھر حضرت اولیںؓ نے اس کا محاذ کیوں نہ رکھا۔ کیا حضرت اولیںؓ یادگیر اصحاب و تابعین حضرت عمرؓ کو امتحان میں نابل سمجھ رہے تھے یا ان کی نگاہ و پسند کا قصور تھا؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے یائے دنبہ ذبح ہوا۔ باپ بیٹا امتحان میں کامیابی کی سند حاصل کر کے گھر لوٹے مگر حضرت حاجرہ کو جب یہ سارا معاملہ معلوم ہوا تو جیسے ہی بیٹے کے گلے کا وہ مقام دیکھا جہاں حضرت ابراہیمؑ نے چھری رکھی تھی تو ماں کے دل پر چھری چل گئی۔ محض یہ خیال آتے ہی کہ اگر یہ چھری سچ مچ چل جاتی تو پھر کیا ہوتا غش کھا کر گر گئیں اور مفسرین کے بیان کے مطابق اسی صدمہ سے گھٹ گھٹ کر اس جہان فانی سے کوچ فرما گئیں۔

اگر آپ کا من گھڑت خیال درست ہے تو بی بی صاحبہ کو تو دوسری خوشی منانا چاہیے تھی ایک جان بچنے کی دوسری امتحان میں کامیابی کی لہذا حضرت حاجرہ

کو واہ اسماعیلؑ واہ اسماعیلؑ کہتے کہتے پھولا نہیں سمانا چاہیے تھا۔ مگر وہ ماں  
تھیں دشمن نہیں۔ جو بیٹے کی تکلیف سُن کر خوش ہوتی۔ پس آپ بڑے شوق سے  
واہ واہ کریں لیکن مظلوم کو خاطر رکھیں کہ محبوب کی مصیبت سُن کر یاد دیکھ کر رُجُب کو تو  
ربخ و رصدمہ پہنچتا ہے اور دشمن کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جس کی کے دل میں  
حسین علیہ السلام کی محبت ہوگی وہ تو اُن کی مظلومیت پر خون کے آنسو بہائے گا  
مگر سنگدل دشمن واہ واہ کر کے اس ظلم کو داؤدِ شجاعت دے گا۔

اس سوال کا جواب خواجہ حسن نظامی مرحوم  
نے بڑے جامع و معقول انداز میں دیا ہے۔  
جناب مصوّرِ فطرت تحریر کرتے ہیں کہ :-

خبرِ شہادت پر سرور  
ہونا چاہیے یا مغموم؟

”ایک نہایت باریک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شہادت مفید اور ضروری شے  
ہے تو اس کے سبب ماتم کیوں کیا جاتا ہے؟ غلگنی اور افسوس کو اس سے کیا  
تعلق۔ آہ و بکا کا اس سے کیا سروکار؟ مگر یہ کچھ ایسی بات نہیں جس کا جواب  
نہ ہو سکے جو چیز شہید ہو رہی ہے اس کو تو اپنی موت کا کوئی افسوس اور غم نہیں  
ہوتا وہ بے پرواہی اور اطمینان سے اپنی ہستی کو مٹانے پر آمادہ ہوتی ہے۔  
مگر دوسروں کے دل پر اس کی چوٹ لگنا فطری امر ہے۔ بشرطیکہ ان  
کے دلوں میں آدمیت کی حس اور آدمیت کا مادہ بھی ہو۔“

(ماخوذ از رسالہ ”شہیدِ کربلا“ مرتبہ ابرار احمد صدیقی)

جس کے دل میں آدمیت کی حس اور انسانیت کا مادہ ہوگا یقیناً اس پر چوٹ  
لگے گی اور ”ہائے حسین“ کہہ اُٹھے گا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جتنے غزوات ہوئے ان میں کئی صحابہ  
شہید ہوئے۔ جو سب کے سب اپنے اپنے مراتب و مقامات پر امتحان میں پاس ہوئے۔  
حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سید الشہداء ہیں ان کو خصوصی سبند ملی لیکن  
کسی جگہ یہ معلوم نہیں ہو سکا سرکارِ دو عالم نے کسی شہید کی شہادت پر رست و شادمانی

کا اظہار فرمایا ہو۔ یا واہ واہ کی ہو۔ حالانکہ اگر یہ من گھڑت خیال درست ہوتا، تو جناب سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت پر تو رسول کو واہ واہ کے واشگاف نعسے بلند کرنے چاہیے تھے، لیکن کتب میں اس کے برعکس مرقوم ہے کہ اچھٹ حضرت حمزہ کی شہادت پر خود روئے، بین کئے، اور نوحہ و ماتم کرنے والی عورتوں کو مدعو کیا اور ان رونے والیوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ ملاحظہ کریں سیرۃ النبی، استیعاب جلد ۱ ص ۳۸۵، معارج النبوة رکن ۱ باب ۱ ص ۱۲۳ وغیرہ۔

پس شہید کے مصائب پر ماتم برپا کرنا یعنی ”ہائے حسین“ کہنا عین سنت رسول ہے اس کے برعکس شہادت پر خوشیاں منانا اور ”واہ حسین“ کہہ کہہ کر مظلوم کو چھپانا سنت رسول سے ثابت نہیں ہے۔

۶۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ غم حسین میں اندھا کیا جانے بسنت کی بہار!

بنا کر دیتی ہے۔ یہ محض عقیدت نہیں بلکہ آزمودہ نسخہ ہے۔ معتبر گواہوں کے بیان سے معلوم ہوا کہ لاہور کی کربلا گامے شاہ میں ایک اندھا عزا در چند گلوں میں آہ و زاری اور ماتم زنی کرتے ہوئے شفا پا گیا۔ اس نے حسین مظلوم کے وسیلے سے بارگاہ الہی میں مناجات کی اور کھوئی ہوئی بصارت حاصل کر گیا۔ لیکن قاضی جی پوچھتے ہیں کہ پاکستان میں کتنے ماتمی ایسے ہیں جو حسین کے غم میں اندھے ہوتے۔ میرا جواب یہ ہے کہ حسین کا غم اندھوں کو روشنی دیتا ہے۔ جس طرح یوسٹن کے کرتے نے یعقوب کی آنکھوں کی روشنی بٹائی تھی اسی طرح حسین کے جرنیل، علی کے لال، عباس علیہ السلام کے علم کا پیرا اپنے شیعوں کی بصارت کے لئے حفظ ماتقدم کا کام کرتا ہے۔ تاہم جن مایوں نے محض زیارت کے لئے اپنے اعضا کٹوائے، تن و من کی بازی لگا دی، ان کے سامنے آنکھیں سفید کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ دعائے مادر حسین کی برکت ہے کہ اُس کے فرزند کی مصیبت میں بہائے گئے اشک جنت کے موتیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں

اور بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بشری اعتبار سے اگر کسی عزادار کو عارضہ لاحق ہو بھی جائے تو اس کی باطنی بصیرت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ مخالفت کی ظاہری بصارت اُس کے سامنے چُپ نہ رہتی جاتی ہے۔

مشہور نافع نادر شاہ دُرّانی جب فتحیابی کے بعد اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے روضہ اقدس پر زیارت پڑھنے کے لئے آئے تو اُسے درِ حرم پر ایک نابینا سائل دکھائی دیتا ہے۔ نادر شاہ حکم دیتا ہے کہ اگر یہ اندھا میری حامزی سے واپس آنے تک بیٹا نہ ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ وہ گدا اگر جب نادر شاہی فرمان سُنتا ہے تو اس کے پیروں تلے زمین نکل جاتی ہے۔ جان کے لالے پڑتے ہیں تو حسین کے والد کو شکل کشائی کے لئے یورے یقین و گریہ زاری اور خضوع و خشوع سے لپکارتا ہے دل سے جو آہ نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ آہ بارگاہ تک رسائی پاتی ہے۔ نادر کے ٹوٹنے سے قبل اندھے فقیر کی بینائی پلٹ آتی ہے۔ جب نادر شاہ یہ اعجاز دیکھتا، تو ظاہرِ مسرت سے جُھوم اُٹھتا ہے اور سائل کی جموئی بھرنے کا حکم دے دیتا ہے۔ شیوہ خوش قسمتی سے دیکھنے والی آنکھیں رکھتے ہیں۔ "ہائے حسین" کہہ کر چشمِ نظارہ کو جو تسکین حاصل ہوتی ہے اس کا ادراک کو رچشم اور بد نظر کو ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ خدا کی قسم! "ہائے حسین، واہ حسین" کے پکڑے نکل کر حسین کے غم میں ایک ہی آنسو بہا کر جنت خریدی جاسکتی ہے۔ کیونکہ محبتِ اہل بیت میں بہایا ہوا ایک اشکِ غم دنیا و آخرت کے غموں سے نجات دینے کا ضامن بن جاتا ہے۔

## دلیل نمبر ۲

القرآن پارہ نمبر ۷، سورۃ المائدہ آیت ۸۳ "اور جب وہ سنتے ہیں اس کو جو رسول کی طرف اتارا گیا تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔"

ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے نزدیک رونا عارفین حق کا فعل ہے اور فعل حسن ہے۔ قرآن کے نزدیک آنکھوں سے آنسو کا جاری ہونا حق کو پہچاننے کی علامت ہے۔

﴿۱﴾ یہ آیت ان عیسائیوں کے حق میں قاضی منظر صاحب کا جواب

نازل ہوئی ہے جو ملک حبشہ سے حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ مدینہ شریف پہنچے تھے۔ اور جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے انہوں نے قرآن مجید سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ مسلمان ہو گئے۔ یہاں تو صرف آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کا ذکر ہے اور وہ بھی قرآن سننے پر۔ اس کو تمہارے ماتم سے کیا تعلق ہے؟

﴿۲﴾ اگر مائتبیوں کے نزدیک اس آیت کا مطلب ماتم کرنا ہے تو پھر قرآن سننے پر ماتم کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

ہمارا جواب

﴿۱﴾ نازل ہوئی جو حبشہ سے مدینہ آئے حالانکہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اپنی تفسیر موضع القرآن میں اس کی تفسیر اس طرح لکھتے ہیں کہ:-

”مکے میں کافروں نے جب مسلمانوں پر ظلم کیا تو آنحضرت صلعم نے اذن دیا کہ کسی اور ملک میں نکل جاؤ۔ قریب انشی آدمی سلمان بعض تنہا اور بعض گھر سمیت حبشہ جا رہے۔ وہاں کا بادشاہ خوب منصف مزاج تھا۔ پھر مکے کے کافروں نے اس کو بہکایا کہ اس قوم کو رہنے نہ دو۔ یہ حضرت عیسیٰ علی نبینا کو غلام کہتے ہیں۔ تب بادشاہ نے مسلمانوں کو بلوا کر پوچھا اور قرآن پڑھوا کر سنا۔ اور اس کے علماء بہت روئے اور کہا حضرت عیسیٰ کی زبان سے ہم کو اسی موافق پہنچا ہے۔ اور ہم کو خبر دی ہے حضرت عیسیٰ نے کہ مسیح بعد پیش از قیامت ایک اور نبی آئے گا۔“

بے شک یہی وہ نبی ہے۔ وہ بادشاہ خفیہ مسلمان ہوا۔ یہ آیات اُن کے حق میں نازل ہوئی۔  
 آنکھوں سے آنسو جاری ہونے ہی کو رونا کہا جاتا ہے۔ اور رونا  
 ماتم ہی کا ایک رکن ہے۔ لہذا ماتم سے اس کا تعلق از خود ثابت  
 ہو گیا۔ ایسا تعلق دریافت کرنا بالکل ویسا ہے کہ کُرسی بنانے والے  
 ترکھان سے لکڑی کاٹنے کا تعلق "کُرسی سازی" سے پوچھا جائے۔  
 قرآن کلام حق ہے۔ اور شہادتِ حسین بھی حق ہے۔ قرآن صامت ہے اور  
 حسین قرآن ناطق ہیں۔ حدیث ثقلین کی رُوسے دونوں دائمی راسخی ہیں۔ ان میں  
 جدائی نہیں۔ جس طرح اہل ایمان کلام حق سُن کر متاثر ہوتے ہیں اور ان کی آنکھوں  
 سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ذکرِ شہادتِ حسین کو سُن کر اہل حق کی  
 آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اور چونکہ حسین مجسم قرآن ہیں۔ لہذا اُن کے مصائب کے  
 ذکر سے اشک انشائی سے بڑھ کر مذہباتِ رقتِ فطر تھامسین کو بی پر محبور کر دیتے ہیں۔  
 ہم چین میں واعظین سے سنا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حسن و حسین کھیلے ہوئے  
 مسجد نبوی میں آئے اور انہوں نے قرآن کا زینہ بنا کر اس پر قدم رکھے۔ کسی نے  
 اعتراض کیا کہ سنیں نے قرآن کی بے ادبی کر دی۔ جب صاحبِ قرآن رسولِ الٰہ تک یہ معاملہ  
 پہنچا تو آپ نے جواب دیا کہ قرآن پر قرآن چڑھ جانے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔  
 لہذا معلوم ہوا کہ حسین و قرآن ہم شان ہیں۔

اب رہا قرآن سننے پر ماتم کرنے کا سوال تو جواب یہ ہے کہ حسین ذی حیات  
 ہیں اُن پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے لہذا ذکرِ حسین سن کر حساس دل ماتم داری پر  
 مجبور ہو جاتا ہے لیکن کتاب کو نہ ہی بھوکا پیاسا ذبح کیا گیا اور نہ ہی اس کے گہنے کو  
 قیدی بنا کر در بدر پھرایا گیا۔ تاہم کتاب میں تذکرہ ہائے غم سے قاری وسامع دونوں  
 مغموم و محزون ہوتے جو کہ ایک فطری امر ہے۔

گمیرِ انبیاء صحیح سمجھ ہی ہے کہ مقاماتِ حسن و ملال پر غزا داری کے تقاضے  
 پورے کئے جائیں۔ یہی انبیاءِ اکرام کا شعار رہا۔ چنانچہ



مرفوع ہے :-

”اپنے مصائب پر آدم، نوح اور داؤدؑ سب روئے ان کی بسا  
 ناجائز نہ سمجھی گئی“ (تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۴۷۱ امام رازی)  
 اسی طرح سعد بن وقاص نے پیغمبرؐ خدا سے روایت کی ہے کہ :-  
 ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشکباری کرو اور اگر روڑنا  
 نہ آئے تو روڑنے والی صورت بناؤ“

(سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص ۲۸۵ مطبوعہ مصر ۱۳۱۳ھ)

پس ہماری ماتم داری کو ناجائز کہنا اور اصل انبیاء کرامؑ اور سید المرسلین  
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر اعتراض کرنا ہے ۔

## دلیل نمبر ۳

القرآن ۔ اس موقع کہ جب فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا تو  
 ارشاد ہوا ”نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین نے گریہ کیا۔ نہ انہیں  
 اللہ کی طرف سے مہلت دی گئی“ اس سے ثابت ہوا کہ قرآنی  
 نقطہ نظر سے بد اعمالی کا تقاضا یہ ہے کہ بد اعمال پر نہ رویا جائے  
 اس کے مقابل جو حسن عمل رکھتے ہوں وہ مستحق گریہ ہیں۔  
 (۱) اس آیت میں نہ شہادت کا ذکر ہے نہ ماتم کا۔ تو اس سے  
 المرجحہ ماتم کیسے ثابت ہو گیا ۔

### الجواب القاضی

(۱) اس آیت میں کوئی حکم نہیں ہے کہ نیک لوگوں پر رونا چاہیے۔

(۲) کیا ماتمی لوگ زمین و آسمان کے مذہب کے پیرو ہیں۔

(۳) اگر اللہ کے مقبول اور صالح بندے مستحق گریہ ہیں تو پھر امام حسنؑ اور دیگر

صلحاء اُمت کی ذوات پر ہر سال کیوں گریہ و ماتم کی مجلس پیا نہیں کرتے ۔

**جواب الاحقر** (۱) اس آیت میں اگر شہادت کا ذکر نہیں تو کم سے کم مصیبت و ہلاکت کا تذکرہ ضرور موجود ہے۔ اور گمراہی و ہلاکت کا نام ہی کی ذیلی شاخ ہے۔

(۲) بیانِ قرآن سے معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اندازِ گفتگو کس نوعیت کا ہے۔ کہ خدا فرماتا ہے سکرش فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا تو نہ آسمان رویا نہ زمین۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اس غرقابی و ہلاکت پر کسی نے افسوس کئے آنسو نہ بہائے۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ خدا کے باغی کو بعد از ہلاکت یہ سزا ملی کہ اس پر کسی نے گریہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ کسی کی مصیبت کے وقت آنسو بہانا ایک پسندیدہ فعل ہے۔ جو شخص دشمنِ خدا کے لئے وجود میں نہ آیا۔ لہذا بطورِ عبت اس کا تذکرہ کیا گیا کہ فرعون ایسا مجرا آدمی تھا کہ اس کی موت کے بعد اسے کوئی نہ رویا۔ اگر وہ نیک ہوتا آسمان و زمین اس کے لئے اشک روافی کرتے۔ یہاں آسمان و زمین کے رونے سے مراد اہلیانِ ارض و سما بھی ہو سکتے ہیں۔ پس ذکرِ غلامِ عباس صاحب کی دلیل مستحکم ہے کہ بد اعمال کے لئے گریہ زاری نہ ہوئی۔ اور اسی کو بطورِ طعن برائے عبت بیان کیا گیا کہ اگر فرعون اور اس کے لشکر کے نقش قدم پر چلو گے تو ذلت کی موت بھی مرے گا اور تمہارا کوئی عزادار بھی نہ ہوگا۔ اس کے عکس اگر اطاعتِ خداوندی میں جان دو گے تو عزت کی موت سے حیاتِ دوام بھی پا جاو گے اور زمین و آسمان تمہارے مصائب پر گریہ زاری کریں گے۔

اسی طرح کا ایک تذکرہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے کہ جب کافر قوم پر عذاب ہوا تو آپ نے فرمایا میں اس شمرِ رقوم کے معذب ہونے کا افسوس نہیں کرتا۔ یعنی اگر یہ نیک لوگ ہوتے اور ان پر مصیبت آتی تو میں اظہارِ تعزیت کرتا۔ اب چونکہ یہ بدکار تھے اس لئے میں ان کا غم نہیں مناتا۔ چنانچہ سورہ اعراف میں ہے کہ ”پس ان کو زلزلے نے اکپڑا۔ سو اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ جنہوں نے شعیب کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہو گئی کہ جیسے ان گھروں

میں کبھی ایسے ہی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی کھلی دہی خسارہ میں پڑ گئے۔ اس وقت شعیبؑ ان سے منہ موڑ کر چلے گئے اور فرلنے لگے اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ اور میں نے تمہاری خیر خواہی کا۔ پھر میں ان کافر لوگوں پر افسوس (سبغ) کیوں کروں۔“

(سورۃ الاعراف ۱۶ آیت ۱ تا ۹۳)

حضرت شعیبؑ کے اس بیان سے مومن کا غم منانا صریحاً ثابت ہوتا ہے پس نہ صرف غلام عباس صاحب کی پیش کردہ آیت سے نیک لوگوں پر رونا ثابت ہوتا ہے بلکہ قصہ شعیبؑ سے بھی صالح افراد کی مصیبت پر اظہارِ افسوس کرنے کا جواز نکلتا ہے۔

۳۔ زمین و آسمان ہمارے مذہب میں

حس طرح ہم خدا کی توحید و محمدؐ کی نبوت و رسالت اور علیؑ کی ولایت

پر ایمان لائے ہوئے اسی طرح زمین و آسمان کا بھی یہی مذہب ہے۔ جس طرح ہم حسینؑ مظلوم کے غم میں عزادار ہیں اسی طرح ارض و سما بھی ہمارے ساتھ شریکِ غم ہیں۔

۴۔ امام حسن اور دیگر شہداء کی مجالسِ عزاء

کون کہتا ہے کہ ہم امام حسنؑ اور دیگر شہداء و صلحا کی

مجالسِ عزاء برپا نہیں کرتے۔ ۲۸ صفر کہ امام حسنؑ کی شہادت کا دن ہر سال یومِ عزاء کے طور شیعہ برادری میں منایا جاتا ہے اور اسی طرح آئمہ اطہار و مومنین کرام کی یاد میں گاہے بگاہے مجالسِ عزاء کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

## دلیل نمبر ۲

حضرت آدمؑ نے حضرت رابیلؑ کی شہادت پر مرثیہ پڑھا اور پڑھ کر خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا اور ہر سال جب وہ دن آتا اس دن مرثیہ پڑھ کر خود روتے اور دوسروں کو رلایا کرتے تھے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۶۲ مطبوعہ مصر)

## قاضی صاحب کا جواب

(۱) ہابیل کی شہادت پر قرآن میں تو حضرت آدم کے رونے رلانے کا ذکر تک نہیں ہے۔ باقی یہی تفسیر تو ابن کثیر میں بھی وہ عبارت نہیں ملتی جو اس پمفلٹ میں درج کی گئی ہے۔ بلکہ تفسیر ابن کثیر میں تو اس کے برعکس یہ لکھا ہے کہ:-

”کہتے ہیں کہ اس صدمہ سے حضرت آدم بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی۔ آخر فرشتوں نے ان کے غم دور ہونے اور ہنسی آنے کی دعا کی۔ الخ (تفسیر ابن کثیر مترجم جلد اول ص ۸۶)

فہم لایک یا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم ہر سال غم کی مجلس قائم کرتے تھے یا یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے ان کے غم کو دور کرنے کی دعا کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ غم دور کرنا ضروری ہے نہ کہ باقی رکھنا۔

(۲) حضرت آدم نے منہ پیٹا اور درہ سیدہ کو بی کی اور نہ کالے کپڑے پہنے تو مائیں لوگ یہ کام کر کے کس کی سنت کی پیروی کرتے ہیں؟

(۳) اگر تمہیں شہادت حنین کا غم ہے تو ساری عمر کے لئے ہنسنا اور خوشی کرنا چھوڑ دو۔

والیسی جواب

(۱) منقولہ بالادلیل روایت معنوی یہ لکھی گئی ہے نہ کہ روایت لفظی میں قرآن مجید کا تذکرہ تو کیا ہی نہیں ہے تفسیر ابن کثیر کو شہادت بنایا گیا ہے۔ جسے خود معترض نے معنوی لحاظ سے تسلیم کیا ہے کہ ”اس صدمہ سے حضرت آدم بہت غمگین ہوئے اور سال تک انہیں ہنسی نہ آئی۔“ آخر فرشتوں نے ان کا غم دور ہونے اور ہنسی آنے کی دعا کی۔“

اب یہ بات عقلاً ثابت ہے کہ اگر حضرت آدم علی نبینا مصروف گریہ و بکا مہوتے فرشتوں کو آپ کے لئے ہنسے اور خوش ہونے کی دعا کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ فرشتوں کا دعا کرنا بذات خود حضرت آدم کی مصیبت میں اُن سے اظہار تعزیت و بہرہ رسی کرنا ظاہر کرتا ہے۔ اگر غمگین ہونا گناہ ہوتا فرشتوں جیسی معصوم مخلوق ایک گنہگار بندے کے لئے دعا نہ کرتی۔ فرشتوں کا دعا کرنا ظاہر کرتا ہے

کہ آدم کا علم حق تھا۔ لہذا امر حق کی مخالفت باطل پرست ہی کیا کرتے ہیں۔ اگر عزا دار ہونا مذموم فعل ہو تو خدا اپنے خلیفہ کی مرز نش کرتا یا فرشتے اس کی مذمت کرتے لیکن ایسا نہ ہوا۔ غم ایک ایسی کیفیت ہے جس کا تعلق سراسر فطرت سے ہے۔ نہ ہی انسان کے بس میں علم کو دور کرنا ہے اور نہ ہی باقی رکھنا۔ غم کو بھلانے کی مصنوعی کوششیں ہمیشہ خطرناک ثابت ہوئی ہیں۔ پس فرشتوں کی دعا سے یہ بات ہرگز اخذ نہیں ہوتی کہ غم دور کرنا ضروری ہے نہ کہ باقی رکھنا۔

**آدم و حوا کی طویل المدت نوحہ خوانی**  
ابوالبشہ حضرت آدم اور ام البشہ حضرت بی بی حوا طویل مدت تک حضرت ہابیل پر

نوحہ کرتے رہے اور ان کے آنسوؤں کا پانی نہر کی مانند جاری ہوا۔

(تاریخ یعقوبی جلد ۱ ص ۳۱)

اسی طرح حضرت آدم کے گریہ و بکا کی کیفیت ملا حسین واعظ کاشفی نے تحریر کی ہے کہ دائیں آنکھ مانند آب و جلد اور بائیں آنکھ مثل آب فرات جاری رہی۔  
(روضۃ الشہداء ص ۲)

**۲۔ ماتم سنت آدم ہے**  
”جب آدم علیہ السلام نے رحمت کا ذکر سنا تو روح حرکت میں آگئی۔ سر پیٹ کر

کہا گریہ و فغان برپا کر دیا (آہ وزاری فرمائی) اور اس سنت کو اپنی اولاد کے درمیان چھوڑ گئے۔“  
(معارض النبوة ملا معین رکن اول ص ۲۲ ع ۲)

**سیاہ پوشی**  
حضرت آدم علیہ السلام کا زمانہ ابتدائی دور تھا رسم و رواج اور رنگ و خوراک اقرار نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر بھی لاش کو

دفن کرنے کا سبق سکھانے کے لئے خدا نے کوئے کو سیاہ پروں کا لباس پہنا کر بھیجا جس سے ثابت ہوا کہ کالا لباس مجالیت غم مرثات الہیہ سے ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے غراب کے پروں کو کالے کے علاوہ کوئی اور رنگ بھی عطا کر سکتا تھا۔

ہم کالے لباس کو غم کے مواقع پر پہننا اپنا مذہبی شعار سمجھتے ہیں اور اپنے مخالف

سے پوچھتے ہیں کہ قتل عثمان پر لوگوں نے سیاہ پوشی کیوں کی جیسا کہ لکھا ہے کہ۔ ”حضرت عثمان کے قتل کے روز جماعت نے سیاہ لباس پہنا“ اگر کالا لباس پہننا ناجائز تھا تو پھر حضرت عثمان کے غم میں ان کے سوگواروں نے اسے کیوں زیب تن کیا؟

۳۔ بقول آغا و اصف صاحب یہ قانونِ عادت جاریہ ہے کہ خوشی کی محفلوں میں مسرت کی تقریبات میں غم کا ذکر نہ ہو کیونکہ یہ جراثیم کو جنم دیتا ہے۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کے غم نے عادت جاریہ کے اس قانون کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ عزادارانِ حسینؑ، شبیرؑ کے رونے والے ولادت ہو، عری ہو یا اور کوئی تقریب مسرت جب تک عزائے امام میں آنسو نہ بہا لیں تب تک اس تقریب کو مکمل نہیں سمجھتے۔ پس ہماری ساری عمر کا سرمایہ عزائے حسینؑ ہے اور ہمارا ہنسنا یا خوش ہونا بھی یاد حسینؑ سے مربوط رہتا ہے۔ اور ہم ہر دم ہی دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ سو اے غم حسینؑ کے ہمیں ہر غم سے محفوظ رکھ۔

## دلیل نمبر ۵

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؑ کی وفات پر ماتم اور گریہ کیا۔  
(پیدائش باب ۳۲ توریت)

## دلیل نمبر ۶

حضرت شعیبؑ دس برس تک روتے رہے جس کے سبب سے آپ آنکھوں سے نابینا ہو گئے۔  
(توریت صفحہ ۳۶۱)

## دلیل نمبر ۷

حضرت ہارونؑ نے بہاڑ پر وفات پائی جہاں حضرت موسیٰؑ

تیس دن ان کا ماتم کرتے رہے اور تیس دن گزرنے کے بعد پہاڑ سے دیگر ہمارا ہیوں کے ساتھ اترے۔  
(توریت باب ۲۰)

## جواب قاضی

۱) ان عبارتوں میں بھی منہ پٹینے اور سینہ کو بی کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔  
پھر مروجہ ماتم کیونکر ثابت ہوا؟

(۳) قرآن کے بعد تورات۔ انجیل وغیرہ آسمانی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں جن کی عبارتیں مسلمانوں کے لئے حجت نہیں ہیں۔ کیونکہ اصلی آسمانی کتابوں میں تبدیلی ہو گئی ہے۔

(۴) اگر تورات۔ انجیل کے مذہب کی پیروی کرنی ہے تو کیا اس پر بھی ایمان لاؤ گے جو تورات میں لکھا ہے کہ :-

(ا) حضرت یعقوب نے خدا کے ساتھ کشتی کی تھی۔ نعوذ باللہ۔

(پیدائش ص ۶۶)

(ب) حضرت لوط نے اپنی بیٹیوں سے بدکاری کی تھی۔ استغفر اللہ۔

(پیدائش ص ۶۷)

## خاکسار کا جواب

مروجہ ماتم سے منقولہ بالا عبارات میں ماتم و گریہ کرنے کے الفاظ بالصرحت مروجہ سے منقولہ ہیں۔ پھر معلوم نہیں وہ مروجہ ماتم کون سا ہے جو ثابت نہ ہوا۔ آپ کا شاطرا نہ طرز پر بار بار "مروجہ ماتم" لکھنا اس بات کا از خود ثبوت ہے کہ آپ کو "ماتم" پر نفسی و ذہنی لحاظ سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مروجہ اشکال یا طریق اور رسم و رواج سے اختلاف ہے۔ یعنی اصولی لحاظ سے آپ "ماتم" کو جائز سمجھتے

ہیں مگر فرضی اختلاف کے باعث "مروجہ نام" پر معترض ہیں۔

۲۔ بلاشبہ منسوخ شدہ کتب آسمانی ہمارے لئے حجت نہیں ہیں

**آسمانی کتب**

لیکن اگر قرآن مجید کی تصدیق ان کتب سے ہوتی ہو تو ان

مصدقات کو ماننا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے ان کتابوں پر ایمان لانا صفت ایمان میں شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ علماء نے ان کتب کو محرت و منسوخ سمجھ کر حجت تو تسلیم نہیں کیا لیکن تفسیری معلومات کے لئے ان کتابوں کو ماخذ مانا گیا ہے خصوصاً پیش گوئیوں کے طور پر جو واقعات بیان کئے گئے تھے وہ درست ثابت ہوئے ہیں۔ اور اغلب خیال یہ ہے کہ پیش گوئیوں میں تحریف برائے نام ہوئی ہے۔ چنانچہ علماء اسلام نے اکثر ان کتابوں میں مرفوم نشانیاں جو غیر اسلام اور دین اسلام سے متعلق ہیں بطور شواہد اپنے دلائل کو براہین میں شامل کئے ہیں۔ زماہ رسول میں بھی مسلمان ان کتابوں سے مستفید ہوتے رہے اور خصوصاً خلیفہ اہلسنت حضرت عمر بن خطاب کو تو کتب سابقہ سے کبھرا شفقت تھا۔ لہذا محض یہ کہہ کر کہ یہ کتب منسوخ ہیں ان کو ٹھکرا دینا کافی نہیں ہوگا۔ جب کہ خود قرآن نے ان کی تصدیق کی ہو۔

صاحبان علم اس بات سے علماء متفق ہیں کہ توریت و انجیل کے وہی احکام منسوخ سمجھے جاتے ہیں جن کے نسخہ پر قرآن مجید کی صراحت ہو۔ ورنہ اہل اسلام کے لئے بھی حجت ہوں گی۔ اب اگر معترض میں کوئی علمی دم خم ہے تو قرآن کریم سے اس حکم کا نسخہ ثابت کریں جہاں کہ توریت سے پوری طرح ثابت ہے کہ ایام محرم الحرام میں غم و سوگ منانے کا حکم عام قانون ابدی کی حیثیت رکھتا ہے۔

**توریت و انجیل کی پیروی**

اسلامی کتب تفسیر میں مرقوم انبیاء کرام علیہم السلام اور پچھلی امتوں کے

حالات و واقعات کا تقریباً ایک تہائی حصہ توریت ہی سے ماخوذ ہے۔ اور بعض ایسے واقعات بھی درج ہیں جن سے نبیوں کی عصمت مجروح ہوتی ہے بلکہ انبیاء کی توہین ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم کا جھوٹا بونا۔ حضرت داؤد کا شادی شدہ



عورت سے عشق لڑانا۔ حضرت یعقوبؑ کا اپنی والدہ کی ایما پر اپنے والد حضرت اسحاقؑ کو بکری کے کباب کھلا کر دھوکہ سے نبوت حاصل کرنا وغیرہ وغیرہ تمام وہیات تھیں مذہبِ مسیحیہ کی کتابوں میں مَثبوت و منقول ہیں۔ اگر ایسی ریکی شنیع باتوں کی تائید آپ کے مذہب میں کرنی گئی ہے تو بھیر "ا" اور "ب" کو مان لینا بھی آپ سے بعید نہ ہوگا بلکہ "ب" کو عموماً آپ کا ایک طبقہ مانتا ہے تو بے خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر سجدِ فضیح میں بیٹھ کر شراب پینے کا الزام لگانے والا گروہ ہمیں توراۃ و انجیل کے مذہب کی پیروی کا طعنہ و مشورہ دیتا ہے۔ کاش بات کہنے سے پہلے سوچ لیتے۔ گریبان میں جھانک لیتے!

## الہامی کتب سابقہ میں ایام عزائمات کا ابدی حکم

بلند اقبال آغا و اصغر حسین صاحب نے مخالفین کے دانت کھٹے کرتے ہوئے دندان شکن سوال دریافت کیا ہے کہ اگر گزشتہ الہامی کتابیں مطلق منسوخ شدہ ہیں تو پھر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کو ان کتابوں سے کیوں ثابت کرتے ہو؟

کیونکہ ان کتابوں میں نازل شدہ پیش گوئیاں بعد میں حرف بحرف سچو ثابت ہوئی ہیں لہذا یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان کتابوں میں درج بعض باتیں غیر مبتدل ہیں۔ مولوی عبدالعزیز حنفی اہل سنہ کے بلند پایہ عالم ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "بشارت احمدیہ" میں ایک مکالمہ نقل کیا ہے جو ویدوں اور ادراکھنڈ سے ماخوذ ہے موصوف کے مطابق کم از کم چھ ہزار برس قبل کی بات ہے کہ گفتگو "مہادیو جی" اور "رانی پاربتی" کے مابین ہوئی۔ اس میں حضرت آدمؑ کی خلقت آپ کی اولاد کا حال بیان ہوا ہے اور پھر سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیت اطہار علیہم السلام کے بارے میں پیش گوئیاں ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالعزیز صاحب تحریر کرتے ہیں کہ:-

”مہامت (محمدؐ) کے ان دونوں نواسوں کو شیر لوگ ناحق قلم کر کے دنیا (اقتدار) کی خاطر مار ڈالیں گے۔ اور ساری زمین ان کے مار ڈالنے سے بے رہ ہو جائے گی۔ اور ان کے مار ڈالنے والے ملیچھ ہوں گے۔ دین و دنیا سے مردود ہو جائیں گے۔ ان کے دل میں مہامت (محمدؐ) کی محبت نہ رہے گی۔ اور عاقبت میں کسی طرح سے خلاصی نہ پائیں گے۔ وہ لوگ ظاہر میں مہامت (محمدؐ) کے دین میں رہیں گے۔ پھر آہستہ آہستہ اور لوگ بھی ان کی ہمراہی قبول کریں گے۔ مہامت (محمدؐ) اور مہامت (محمدؐ) کے فرزندوں کے چال چلن کے خلاف بہت سے کام ضد سے اختیار کریں گے۔ تھوڑے سے آدمی مہامت (محمدؐ) کے فرزندوں کی راہ پر رہیں گے۔ اکثر لوگ قتل کرنے والوں کے موافق بہت سے کام کریں گے اور ظاہر میں مہامت (محمدؐ) کے دوست کہلائیں گے۔ ایسے ظاہر داری کرنے والے لوگ کل جگہ (آخری زمانہ) میں بہت ہونگے اور سارے جہاں میں فساد برپا کریں گے۔“

کثرت پر ناز کرنے والوں کو جہلی عبارت پر خوب غور کرنے کی دعوت ہے۔

”کتاب مقدس“ پرانا عہد نامہ کتاب (احبار) کے باب ۱۲ کے

فقہہ ۲۳ سے ۳۲ تک نقل کرتے ہیں۔

۲۴، ۲۵، ۲۳ :- اور خداوند نے موسیٰ سے کہا : بنی اسرائیل سے کہہ کہ ساتویں

مہینے کی پہلی تاریخ تمہارے لئے خاص آرام کا دن ہو۔ اس میں

یادگاری کے فرسنگے پھونکے جائیں اور مقدس مجمع ہو۔ تم اس روز

کوئی خادما نہ کام نہ کرنا اور خداوند کے حضور آتشین قربانی گزارنا۔

۲۶، ۲۷، ۲۸ :- اور خداوند نے موسیٰ سے کہا : اسی ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ

کا دن ہے۔ اس روز تمہارا مقدس مجمع ہو۔ اور تم اپنی جانوں کو

دکھ دینا اور خداوند کے حضور آتشین قربانی گزارنا۔ تم اس دن

کسی طرح کا کام نہ کرنا کیونکہ وہ کفارہ کا دن ہے جس میں خداوند

تمہارے خدا کے حضور تمہارے لئے کفارہ دیا جائے گا۔  
 ۲۹۴۔ جو شخص اس دن اپنی جان کو دیکھ نہ دے وہ اپنے لوگوں میں سے  
 کاٹ ڈالا جائے گا۔ اور جو شخص اس دن کسی طرح کا کام کرے  
 اسے میں اس کے لوگوں میں سے فنا کروں گا۔  
 ۲۱۔ تم کسی طرح کا کام مت کرنا۔ تمہاری سب سکونت گاہوں میں پشت در  
 پشت ہی آئیں رہے گا۔

۳۲۔ یہ تمہارے لئے خاص آرام کا سبب ہو۔ اس میں تم اپنی جانوں کو دیکھ دینا  
 تم اس مہینے کی نویں تاریخ کی شام سے دوسری شام تک اپنا سبب ماننا  
 منقولہ بالا آیات پر خصوصی غور و توجہ دیں جس عبادت و ریاضت کا حکم دیا جا رہا ہے  
 اس کا وقت ساتویں مہینے کا پہلا عشرہ ہے۔ نویں کی شام سے لے کر دسویں کی شام تک  
 یہ خصوصیت سے منانی ہوتی تھیں۔ اور اگر ان ایام میں اپنی جانوں کو دیکھ نہ پہنچا سکے  
 تو وہ اپنے لوگوں سے کاٹ لیا جائے گا۔ حالانکہ ان کے سامنے کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جس  
 کو وہ دیکھ کر یا سن کر اپنی جانوں کو دیکھ پہنچانے کا سبب پیدا کرتے۔

ان کے ساتویں مہینے کی پہلی تاریخ اور محرم ۱۲۸۷ھ کی پہلی تاریخ ایک تھیں۔ ان  
 کے ساتویں مہینے کا نام "تشرین" ہے۔ چنانچہ علامہ طبری کے مطابق یکم محرم ۱۲۸۷ھ مطابق  
 یکم تشرین ۱۲۸۷ھ ہے۔ مورخ یعقوبی تحریر کرتے ہیں یکم محرم الحرام ۱۲۸۷ھ کو  
 ماہ تشرین کی پہلی تاریخ تھی۔ بعض عجیب شمہروں میں اس دن سورج برج میزان  
 میں ساڑھے سترہ درجہ پر اور چاند برج دلو کی بیسیویں منزل پر تھا۔ ثابت ہوا  
 محرم ۱۲۸۷ھ سے ماہ تشرین کی تاریخیں تو ام ہو گئیں۔

پس ایام محرم میں غم منانے اپنی جانوں کو تکلیف دینے کا صریح حکم تو ریت  
 میں محفوظ ہے۔ اور منقولہ آیت ۱۲۸ کے مطابق یہ دائمی قانون یعنی پشت در پشت  
 آئین نافذ ہے۔ چونکہ یہ قانون دائمی قرار دیا گیا ہے لہذا امر لبید ہے کہ ابدی قانون  
 کو کچھ ہی عرصہ بعد منسوخ کر دیا جائے کیونکہ اللہ کی سنت میں تبدیلی تسلیم کرنا خلاف

قرآن ہے۔ "لن تجد لسنة الله تبديلا۔"

## دلیل نمبر ۲

حضرت نوحؑ کا اصلی نام عبدالغفار تھا۔ اور نوحہ کرنے کی وجہ سے نوح کہلاتے ہیں۔

(القصاصی علی الجلالین جلد دوم صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ مصر)

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کسی مقبول بندے کی مصیبت و بشارت کی وجہ سے نہیں روئے بلکہ اس کی وجہ خود صاوی حاشیہ جلالین میں یہ لکھی ہے۔

لقب بنوح لکثرة فوحه على نفسه حيث دعا على قومه فهلكوا وقيل لم اجمعته ربه في شان ولله لا كتمان۔

آپ کا لقب نوح اس لئے سہوا کہ آپ اس بنا پر زیادہ روتے رہے کہ آپ نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ اپنے بیٹے کے بارے میں آپ نے اپنے رب سے سوال کیا تھا۔

۲۔ اس نوحہ (رونے) سے منہ پٹا اور سینہ کوئی کرنا کیسے ثابت ہو گیا۔

## جواب من

۱۔ حضرت نوحؑ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ کسی غیر مقبول بندے کی مصیبت پر روتے رہے۔ دراصل ان کی عصمت کا انکار کر دینا ہے۔ فریقین کی اکثر کتب و تفاسیر میں یہی لکھا ہے کہ آنحضرتؐ سیکڑوں سال حصول نقائے تعالیٰ کے لئے گریہ کنناں رہے۔ اور اس گریہ و بکا کی کثرت کے سبب آپ کا نام نوح یعنی نوحہ کرنے والا مشہور ہو گیا۔

پس صاحب الصادق علی الجلالین کا یہ تحریر کرنا کہ حضرت نوح قوم اور بیٹے کی ہلاکت پر روتے رہے ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ پیغمبر کا سرکش قوم اور ناخلف بیٹے (جسے اللہ نے اولاد سے خارج کر دیا) کی ہلاکت پر اتنی طویل مدت گریز و گریز کرتے رہنا اور خدا کا نہ روکنا۔ ایک امر باطل کی حوصلہ افزائی کرنے کے مترادف ہے جو کہ امر محال ہے۔

واضح ہو کہ نوح بقول قاضی اگر غیر مقبول بندے کے لئے بھی عزادار رہے تو بھی عزاداری کا جواز ہماری موافقت میں نکلتا ہے کہ بشری تقاضا تھا۔ جبکہ اہل سنت کے مطابق مقبول و غیر مقبول شہید و عام مردہ سب پر رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے میری کتاب ”چودہ مسئلے“۔

۲۔ نوحہ کے معنی بین کر۔ کہ رونا ہے جو بلند آواز سے ہوتا ہے۔ یہ فطری امر از خود دلیل ہے کہ حالت غم میں جذبات کی شدت مغموم کو بے بس کر دیتی ہے اور اسی اضطرابی کیفیت میں بیٹھا بھی ہے۔ اگر اس عبارت سے منہ پھینکا اور سینہ کو بی کرنا ظاہر نہیں بھی ہوتا تو بھی آپ نے مروجہ ماتم میں زبان سے ہائے پکارنے کو ”ماتم“ تسلیم کیا ہے۔ پس نوحہ اور وادیا کرنا از خود ماتم قرار پایا اور حضرت نوح کی نوحہ خوانی ہمارے ماتم کرنے کی مستحکم دلیل ٹھہری۔

## دلیل نمبر ۹

حضرت ابراہیم بن محمد نے انتقال کیا۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو عبدالرحمن بن عوف کے ساتھ تشریف لائے۔ نزع کی حالت تھی گو دس اٹھایا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(سیرت النبیؐ حصہ اول ص ۲۸)

۱۔ اس کے بعد یہ الفاظ نہیں

جواب دلیل از قاضی مظہر حسین

لکھے کہ ۱۔

”عبدالرحمن بن عوف نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی یہ حالت ہے۔ آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے۔“

اس سے ثابت ہوا کہ اپنے فرزند حضرت ابراہیم کے انتقال پر رحمت کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے تھے لیکن اس سے ماتم مروجہ کیسے ثابت ہوا؟

۲۔ اور اس گریہ کی بھی کیا ہر سال حضرت ابراہیم کی وفات کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مجلس پیا کی تھی۔؟

۳۔ حضرت حسین کے ماتمیوں نے بھی کبھی حضرت ابراہیم بن محمد کے ماتم کی مجلس پیا کی ہے؟

**میرا جواب** ۱۔ ملک صاحب نے اگر وہ الفاظ نہیں لکھے جو آپ نے بتائے تو اس سے ان کے مدعا پر تو کوئی اثر نہ پڑا۔ نہ ہی ترکہ الفاظ آپ کے لئے مفید ٹھہرے۔ کیونکہ عبدالرحمن بن عوف نے رسول کی لشک روانی پر تعجب کیا۔ اور حضور نے جواباً فرمایا کہ ”یہ رحمت ہے۔ یہ بات تو اولیٰ عزاداری کے لئے دلیل قرار پائی نہ کہ رحمت کا ثبوت۔ چنانچہ میں نے یہ روایت اپنی کتاب ”چوہہ مسئلے“ میں نقل کی ہے۔ اسی کو پھر لکھتا ہوں۔

”ابراہیم فرزند رسول کی وفات کے سلسلے میں حالات بیان کرتے ہوئے“ انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکان میں داخل ہوئے۔ اور ابراہیم دم توڑ رہے تھے۔ پس رسول خدا کی دونوں آنکھوں سے اشک جاری ہوئے۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا یا رسول اللہ! آپ روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عوف کے بیٹے! یہ تو رحمت ہے جس کے بعد گریہ بھی ہو جاتی ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ آنکھ روتی ہے۔ دل غمگین ہوتا ہے۔ مگر ہم اللہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کہتے (یعنی اللہ تعالیٰ سے شکوہ نہیں کرتے)۔ اے ابراہیم! بے شک ہم تیری

جہائی سے غمگین اور محزون ہیں۔“

(مشکوٰۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی جلد ۱ ص ۲۹۸)

پس چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود وقتِ صدمہ گریہ زاری کی اور بین کیا جو کہ ”ماتم“ کے زمرے میں آتے ہیں۔ لہذا اس کا تعلق ماتم کے ساتھ گہرا ہوا کیونکہ رونادھونا اور آہ و فغاں و بین کرنا ”ماتم“ ہی کے رسوم ہیں۔

۲۔ درجہ دل رکھنے والا انسان اولاد کی چوٹ بھگلا نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جن کو کفار و مشرکین بے اولاد سمجھ کر طعن کیا کرتے تھے یقیناً باپ ہونے کی حیثیت سے حضرت ابراہیم کی جہائی کے صدمہ کو فراموش نہ کر سکے ہوں گے اور ساری زندگی اس فرزند کا داغِ مفارقت ان کو یاد رہا ہوگا۔ ایسے میں ایک دن کی مجلسِ ماتم کرنے کا سوال اٹھانا محض ضد اور تعصب کا مظاہرہ ہے۔

اگر حضرت ابراہیم کے یومِ وفات کی سالانہ مجلس کے انعقاد کا سوال ہے تو پھر ذرا تبادلہٴ خیال کہ رسول خداؐ نے رمضان شریف میں ہر سال تراویح کی نماز باجماعت ادا کی۔ اگر نہیں کی جیسا کہ حقیقت ہے تو پھر آپ حضرات ہر سال اس کا اہتمام کیوں کرتے ہیں۔ جو بھی جواز آپ تراویح کے لئے پیش کریں اس ہی کے تحت اپنے اس اعتراض کا جواب حاصل کر لیجیے۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق تو ایک دفعہ کا عمل رسولؐ بھی سنت ہوتا ہے جب تک کہ ممانعت نہ ہو۔

وفاتِ ابراہیم اور شہادتِ حسینؑ میں بہت فرق ہے۔ جب ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو وہ اپنے گھر میں اپنے والدین کے پاس تھے۔ لیکن حسینؑ عالمِ پردیس میں بھوکا پیاسا بے جرم و خطا اُمت کے باظفوں کند خنجر سے حالتِ نماز میں شہید ہوا۔ لہذا حالات و واقعات کی رُو سے دونوں سانچے جدا ملوث رکھتے ہیں باقی صاحبِ اہم اہل بیتؑ کے سوگواروں نے غمِ آلِ رسولؐ سے متعلقہ ہر چیز کو

اس کی شان کے مطابق پُرسہ دہی کرنے کی سعی کی ہے۔ اور ابراہیم کی وفات پر مجلس عزاکا انعقاد ہمارے ہاں ممنوع تو نہیں ہے۔ اگر ہم علم، جھوٹا، ذوالجناح جیسی چیزوں سے غمگساری کر سکتے ہیں اور عام میت کے لئے مجلس عزاء برپا کرتے ہیں تو پھر فرزند رسولؐ کی مجلس کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے اور حقیقت یہ ہے کہ حسین علیہ السلام کی مجلس عزاء دراصل ہمارا ایک احتجاجی جلسہ ہوتا ہے کہ ازل سے ابد تک تمام اہل حق مظلومین کی حمایت کرتے ہیں اور تمام ظالمین کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ یہ ہمارے تمام غموں کا شافی علاج ہے۔

۳۔ رسم زمانہ کے مطابق سالانہ یادگاریں صرف اُن لوگوں کی منائی جاتی ہیں جنہوں نے دنیا میں کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہو جس سے انسانیت کو فائدہ پہنچا ہو۔ جس طرح امام حسینؑ نے معرکہ کربلا میں شہید ہو کر اسلام کے مژدہ جسم میں اپنے لہو سے حرارت پیدا کی اگر جناب ابراہیمؑ فرزند رسولؐ اپنی لمبی عمر پر پہنچ کر ایسا کارنامہ سرانجام دیتے تو ہم ان کی یاد بھی بدرجہ اتم ملتے۔

## دلیل نمبر

حضرت حمزہؓ کی شہادت پر حضرت رسول اکرمؐ روئے اور فرمایا ہائے آج حمزہ کا ماتم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس پر صحابہ رسولؐ نے اپنی عورتوں سے کہا کہ تم حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو۔ اور عورتوں نے گریہ کیا اور صفِ ماتم بچھائی۔ آنحضرتؐ نے عورتوں کا گریہ سن کر خود گریہ کیا اور عورتوں کو ماتم کرنے کی وجہ سے دعلیٰ بخسید دی۔ (کتاب مغازی فتوح الشام صفحہ ۱۰۸۔ سیرت ابن ہشام۔ سیرت النبی شبلی نعمانی جلد اول)



## جرحِ قاضی

۱۔ اس عبارت میں بھی منہ پیٹنا اور سینہ کو بی کرنا ثابت نہیں جس سے مروجہ ماتم ثابت ہوتا ہو۔

۲۔ سیرۃ النبی شبلی نعمانی حصہ اول ص ۳۲ میں تو یہ الفاظ ہیں:-

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ تھی اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں۔ لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں“

اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہؓ کے ماتم میں عورتوں نے رواج کے تحت نوحہ (بین کر کے رونا) شروع کر دیا تھا۔ جس سے رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع فرما دیا۔

۳۔ پمفلٹ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ مبارک نقل نہ کرنا کہ ”مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں“ کیا علمی بردیانتی نہیں؟

۴۔ کیا پھر رسال حضرت حمزہؓ کی شہادت کے دن صرف گریہ کی مجلس بھی قائم کی گئی تھی۔

۵۔ اور کیا آج کل کے ماتمیوں نے بھی کبھی حضرت حمزہؓ کی مجالس ماتم بپا کی ہیں۔ اگر نہیں تو کیوں؟

۱۔ جب بحث برائے بحث کرنا مبدئ نظر ہو تو پھر مرنے کی ایک ہی ٹانگ نظر آتی ہے۔ ہم بحث حیران ہیں کہ

## ہمارا جوابی تبصرہ

لفظ ”ماتم“ کی موجودگی میں فاضل مجیب تحریر فرما رہے ہیں کہ ”عبارت میں منہ پیٹنا اور سینہ کو بی کرنا ثابت نہیں“ حالانکہ ماتم کے معنی ہی رونا پیٹنا ہوتے ہیں مروجہ یا غیر مروجہ۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ کوئی کہہ دے نماز پڑھنے کا حکم تو قرآن مجید میں بار بار ہے مگر اس کے ساتھ سجدہ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ جس طرح نماز ادا کرنے کے ذیل میں رکوع و سجود از خود سمجھ لئے جاتے ہیں۔ اسی طرح

”ماتم“ کے تحت تمام رسومات عزرا کا شمول اندر سٹوڈ (UNDER STOOD) ہے۔

۲۔ اب ذرا شبیل کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے:-

اں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے۔ تمام مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا آپ جس طرح سے گزرتے تھے گھروں سے ماتم کی صدائیں بلند تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے تھے۔ لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔ رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا اَمَّا حَمْزَةُ فَلَا بُؤَاکِیَ لَکَ حَمْزَةُ کَا رَوْنِہِ وَالَا کُوئی نہیں۔

انصار نے یہ لفظ سُننے تو تڑپ اُٹھے۔ سب نے اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دو لٹکدہ پر جا کر حمزہ کا ماتم کرو۔ آنحضرت نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھینٹ تھی۔ حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ اُن کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا مشکور ہوں۔ لیکن مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام میں عورتیں مقتول عزیزوں کا ماتم کرتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد مدتوں تک معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حمزہ سے شروع کی جاتی۔ یہ پابندی رسم نہ تھی بلکہ حمزہ کی حقیقی محبت تھی۔

(سیرت النبی حصہ اول بحوالہ فلاح الکونین ص ۱۸)

معترض کا یہ خیال کہ آنحضرت نے ماتم دار عورتوں کو نوحہ کرنے سے روک دیا درست نہیں ہے۔ کیونکہ سیاق و سباق پر معمولی غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ”لیکن مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں“ کا جملہ موضوع ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ پہلے تو رسول خود ہی حمزہ پر ماتم کی خواہش فرمائیں اور پھر خود ہی منع کر دیں۔

۱۔ ماتم حمزہ کی حقیقی نسبت و واقعہ کون سی ہے؟

اگر حضورؐ نے بالفرض منع کر دیا سوتا تو پھر مدتوں یہ معمول کیوں رہتا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو داستانِ حمزہ سے شروع ہوتی۔

حکم رسولؐ کے خلاف صحابیات سال کے ایام خاص میں ماتم کیوں کرتیں؟

مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں“ کا تراشہ ایجادِ بندہ ہے کیونکہ کتبِ تواریخ میں یہ جملہ نہیں ملتا ہے۔ صاحبِ مدارج النبوة لکھتے ہیں کہ ”حضرتؐ مدینہ آئے تو انصار کے اکثر گھروں سے رونے کی آواز آتی تھی سوائے حمزہ کے گھر کے۔ آپؐ نے فرمایا حمزہ کو رونے والا کوئی نہیں۔ انصار نے اپنی عورتوں سے کہا پہلے حمزہ پر روئیں پھر اپنے گھروں میں روئیں۔ چنانچہ وہ شام اور صبح کے درمیان گئیں۔ آدھی رات تک حمزہ پر روتی رہیں۔ حضرتؐ جاگے اور پوچھا یہ کیا ہے۔ جب حقیقت بتائی گئی تو فرمایا۔ خاتم سے اور تہااری اولاد کی اولاد سے راضی ہو۔

اسی طرح استیعاب میں ہے کہ حضورؐ کے ارشاد کے بعد کوئی انصار عورت اپنی میت پر نہیں روئی مگر پہلے حمزہ پر روئی۔ پس روائے یادِ رائتہ کسی طرح سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ حضورؐ نے نوحہ کرنے سے منع کیا ہو۔

۳۔ حکمِ قرآن ہے کہ شہید کو ”مردہ“ نہ کہا جائے۔ اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سید الشہداء ہیں۔ لہذا رسولِ کریمؐ کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے معاذ اللہ خلافِ قرآن شہید کو ”مردہ“ کہا کہ ”مردوں پر نوحہ نہ کرنے کا حکم دیا۔ شانِ پیغمبرؐ کے منافی ہے۔ ایک غلط منسوب شدہ جملے کو نقل نہ کرنا علمی بددیانتی نہیں ہے۔ ہاں پوری عبارت کے پہلے پیراگراف کے آخری الفاظ اھا حمزۃ فلا یو اکی لہ اور دوسرے پیراگراف سے اس واقعہ کے بعد مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستانِ حمزہ سے شروع ہوتی کہ الفاظِ نقل نہ کرنا بہت بڑی بددیانتی ہے۔

## علمی خیانت کا ثبوت

سیرت النبی کی مندرجہ صدر عبارت ابتدائی ایڈیشن سے نقل ہوئی ہے۔ مگر موجودہ ایڈیشن

میں تحریف کر کے سخت علمی خیانت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اصلی عبارت ہم نقل کر چکے۔ اب محرف شدہ عبارت بھی دیکھ لیجئے اور ایمان والہ صاف سے فیصلہ کیجئے کہ خائن اور کاذب کون ہے؟ یہ تحریف شدہ عبارت ہم سیرت النبی حصہ اول سن اشاعت ۱۹۷۵ء ناشر۔ دینی کتب خانہ لاہور مطبع اسلامی لاہور کے ص ۳۶ سے نقل کر رہے ہیں۔

”آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گذرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو عیب نہ ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے۔ رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

اقا حمزہؓ فلا لبوا کی لہ۔ لیکن حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں۔ انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اُٹھے۔ سب نے جاکر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ مٹتی اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں، لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔

نوٹ :- اس کے بعد مصنف کا پورا پورا جو عربی میں دستور تھا سے لے کر ”حقیقی عیبستہ تھی“ تک ہے۔ حذف کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے جگہ خطوط و حرافی میں یہ عبارت سے مکھی ہے جو اشاریہ کی رو سے سید سلیمان ندوی سے منسوب کی گئی ہے۔ حالانکہ پہلے ایڈیشن میں ایسا نہیں ہے۔

دعسرب میں دستور تھا کہ مُردوں پر عورتیں زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھیں۔ کپڑے پھاڑ لیتی تھیں۔ گال نوحتی، گالوں پر تھپڑ مارتی تھیں اور چیختی چلاتی تھیں۔ یہ رسم بد اس دن سے بند کر دی گئی اور فرمایا گیا کہ آج سے کسی مُردہ پر نوحہ نہ کیا جائے۔ یہ بھی بعد کو ارشاد ہوا کہ اس طرح ماتم کرنا مسلمان کی شان نہیں) فٹ نوٹ میں سس سے ظاہر ہے کہ یہ عبارت سید سلیمان ندوی صاحب نے بعد میں اضافہ کر کے لکھی ہے اور اصل عبارت کو تبدیل کر دیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

بالفرض محال | اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضور نے فرمایا "مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں" تو بھی عزاداری امام حسین علیہ السلام پر اس ممانعت کا کوئی اثر نہیں پڑے گا اس لئے کہ شہید زندہ ہے اور اس کو مُردہ کہنے کی ممانعت ہے۔ پس یہ حرمت عام مُردوں کے لئے ثابت ہوگی۔ جبکہ ہم خود بھی عام میت کے نوحہ و ماتم کو جائز نہیں کہتے ہیں۔

عزاداری پر رسول اکرم کا اظہار تشکر | منقولہ بالا واقعہ سے حضرت حمزہؓ کے

عزاداروں کی نوحہ خوانی پر سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُن کی ہمدردی اور تعزیت پر شکر گزار ہونا اور اُن کے حق میں دعاے خیر کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ انہوں نے جو پُرسدیا اُسے رسول اللہ نے پسند کیا۔ ایک ناجائز و حرام فعل کے لئے اظہار تشکر بجا لاتا اور اسے ہمدردی قرار دینا شان رسالت سے بعید ہے۔ یہ شکر گزاری ثابت کرتی ہے کہ اس کے فوراً بعد مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ والا جملہ بے جوڑ ہے۔ اصل قصہ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بلکہ بعد کی اختراع ہے۔ شاید شبلی صاحب کی اس غلطی کو چھپانے کے لئے سلیمان ندوی صاحب کو عبارت میں رد و بدل کی ضرورت پیش آئی ہے۔

۴۔ ہر سال حضرت حمزہ کی شہادت کے دن مجلس عزاکا انعقاد تو رہا ایک طرف۔ منقولہ بالا عبارت سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شہادتِ حمزہ کے بعد مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو داستانِ حمزہ سے شروع کی جاتی۔ نیز آنحضرتؐ اور خلفائے ثلاثہ (اہلسنت) کا شہداء کی قبور پر ہر سال بشکل مجلس جانا ہم گذشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں۔

۵۔ ہم ان تمام بزرگواروں کے ایام مناتے اور ان کی یاد میں مجلسیں کرتے ہیں جنہوں نے اسلام اور بانی اسلام کی حمایت و حفاظت میں جانیں نثار کی ہیں۔ ہم اکثر مجالس میں حضرت حمزہ کا ذکر کر کے ان کی یاد بھی مناتے رہتے ہیں۔ علاوہ بریں اس وقت کلام اس امر کے جواز میں ہے جو مجدد تعالیٰ مخالف کے اقرار سے ثابت ہے۔ لیکن یاد رکھیں ”ہر مباح امر پر عمل کرنا ضروری نہیں۔“ تاضی صاحب اہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر آپ شرکت کا یقین دلائیں تو ہم جب کہیں حضرت حمزہ کی یاد میں خصوصی مجلس عزاکا انتظام کر کے آپ کو دعوت دینے کو تیار ہیں۔ فرمایئے منظور ہوگی یا نہیں؟

## دلیل نمبر

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات کے سال کو آنحضرتؐ نے عام الحزن یعنی غم کا سال کے نام سے یاد کیا ہے۔

جواب منجانب قاضی مظہر صاحب | اگر اس سال کو عام الحزن کا نام دینے کا مطلب یہی ہے کہ ہر سال

ان کی وفات کے دن ماتم کی مجالس قائم کی جائیں تو کیا حضرت علی المرتضیٰ حضرت فاطمہ الزہرا، حضرت حسن اور حضرت حسین نے بھی ہر سال کوئی مجلس غم بپا کی تھی۔ اور کیا رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے مہربان چچا ابوطالب اور اپنی پیاری بیوی خدیجہ الکبریٰ کی وفات کا دن ہر سال مجلس ماتم کی صورت

میں منایا تھا؟ اگر نہیں تو پھر کس کی پیروی کرتے ہو؟

**ہماری گزارش** | ایک مخصوص سال کو بوجہ غم عام الخزن کا نام دینے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ پورا سال رسول کریمؐ نے اپنے

محسن چچا اور محسنہ اسلام زوجہ کا غم منایا۔ کیا رسولؐ کا یہ عمل سنت ہے یا نہیں اگر آپ اہل سنت ہونے کے دعویدار ہیں تو اس سنت پر بھی عمل کیجیے کہ رسولؐ نے اپنے محسن رشتہ داروں کا غم منایا۔ پورا سال عزادار رہے۔ اس سنت کو روکنے کی کوشش کسی بھی اہل سنت کو زیب نہیں دیتی جس رسولؐ نے پورا سال غم منایا۔ اُن کے لئے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ وہ ان مفارقتوں کو بھول گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے

کہ اکثر و بیشتر رسولؐ ان دونوں ہستیوں کو یاد کرتے رہے۔ اور یہ یادگاری اس حد تک تھی کہ خود آپؐ کی زوجہ بی بی عائشہؓ کو اس سے لاگ آنے لگی تھی۔ چنانچہ بی بی صاحبہؓ خود اقرار کرتی ہیں کہ مجھے خدیجہ کے نام چھڑ رہا کرتی تھی۔ صلیقہ اہلسنت کا یہ اعتراف اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ آنحضرتؐ نے ساری زندگی خدیجہ کا

غم نہ بھلا بھلا۔ اور یہ ظاہر ہے ذکر خدیجہ کسی سامع کے سامنے ہی ہوتا ہوگا اور واکرو سامعین کے درمیان ذکر ہی کا نام مجلس ہوتا ہے۔ اب چونکہ یہ سانحہ ہائے ارتحال اتنے پایہ پر نہیں ہیں جتنا کہ شہادت حسینؑ کا سانحہ ہے۔ لہذا ویسا اہتمام بخیر عزاسیاد شہدا کا ہوتا ہے ویسا نہ ہو سکا۔ مگر پھر بھی ہم غمو کا یوم خدیجہ اور

یوم ابی طالب مناتے رہتے ہیں۔ الغرض اصل مدعا محض یہ ہے کہ غم منانا۔ ماتم ہوا کرنا اور عزاداری کا اہتمام کرنا سنت رسولؐ سے قولاً اور فعلاً جائز ثابت ہے اور یہی ہمارا موقف ہے۔ اگر شب معراج کو معراج پر جانے کی خوشی میں ہر سال

اس شب کو خوشی منائی جاسکتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ کسی یوم مصیبت کی یادگار کو نظر انداز کر دیا جائے۔ کیونکہ زندگی میں رنج و خوشی دونوں اہم ہیں۔ جب تعزیت گزاری اور میرسد ہی اصولی طور پر مستحب اور مستحسن بلکہ سنت قولی و فعلی ثابت ہے تو پھر معلوم نہیں اس کی مخالفت کس جواز پر کی جاتی ہے۔ واضح

ہو کہ کسی مباح و مسنون امر کے لئے کسی وقت کی پابندی نہیں ہے کہ اسے کس وقت کیا جائے۔ حالات و ضرورت کے تحت اس پر عمل کسی وقت بھی کیا جاسکتا ہے۔

## دلیل نمبر ۱۲

جنگِ اُحد میں جناب رسالت مآبؐ کا دانت مبارک شہید ہو گیا۔ جس کی خبر سن کر خواجہ اولیس قرنی نے اپنے دانت توڑ دیئے آنحضرتؐ نے اس فعل کو پسند فرمایا اور خواجہ کے لئے دعا کی۔

دلیل یہ روایت بلا سند اور بلا حوالہ پیش کی گئی ہے جواب از قاضی | اس لئے اس کو حجت نہیں بنایا جاسکتا۔

(۱۲) اگر اس طرح اپنے دانت توڑنا صحیح ہے اور کارِ ثواب ہوتا تو پھر حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا بھی اپنے دانت توڑ دیتے۔ کیا مائیموں کے نزدیک خواجہ اولیس قرنی کا عشقِ رسالت حضرت علیؑ سے زیادہ تھا ؟

ہاں اگر خواجہ اولیس قرنی کی یہ سنت مائیموں کو پسند ہے تو پھر سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت شہید ہونے کی یادگار میں اپنے دانت کیوں نہیں توڑ دیتے۔ سارا قصہ ہی ختم ہو جائے نہ مرثیہ خواں رہیں اور نہ موز خواں رہے۔  
”نہ رہے بانس اور نہ بچے بانسری“

۱۔ حضرت اولیس قرنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ دندان شکنی جواب الکریم | اس قدر مشہور اور عام ہے کہ اس کے حوالہ کی ضرورت

نہ سمجھی گئی تاہم مطالبہ پورا کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ مشہور بزرگ المہنت شیخ فرید الدین عطار کی معتبر کتاب ”تزکۃ الاولیاء“ میں ہے۔ اور اس کے اردو ترجمہ کے صفحہ ۱۸ پر ہے۔ صاحب سیرۃ الخلیفہ نے اسے اپنی دوسری جلد کے صفحہ ۲۶۹ پر نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ کئی دیگر کتابوں میں اس واقعہ کو کھا گیا ہے شیخ فرید الدین عطار تحریر کرتے ہیں کہ:-



حضرت اولیس قرنیؓ نے حضرت عمرؓ بن خطابؓ کو کہا۔ اگر تم دوستی میں درست ہوتے تو اس دن جبکہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے تو تم نے کیوں موافقت کے طریقہ پر اپنے دانت نہ توڑ دیئے۔ کیونکہ یہ شرط موافقت ہے۔ پھر آپ نے دانت دکھلے مجوسب لٹے ہوئے تھے۔ اور کہا میں نے آپ کو ملا دیکھے غیبت کی حالت میں اپنے دانتوں کو آپ کی موافقت میں توڑ ڈالا۔ کہ جب میں ایک دانت توڑتا تھا تو میرے دل کو قرار نہ آتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک ایک کر کے میں نے سب دانت توڑ دیئے۔ تذکرۃ الاولیاء ص ۱۸

۲۔ اگر اولیس قرنیؓ کا اس طرح دانت توڑنا خلافِ شرع ہوتا تو حضرت عمرؓ ان کو ضرور لوگ دیتے۔ اور ان کے اس طعنہ کو درست دوستی کا جواب دیتے۔ مگر حضرت عمرؓ خاموش رہے۔ یہ سکوت اس امر پر دال ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک جناب اولیس قرنیؓ کا دندان کو توڑنا خلافِ شرع فعل نہ تھا بلکہ کارِ ثواب تھا۔ اور دوستی کا ثبوت بھی تھا۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ جنگِ احد میں جب مسلمانوں پر مشکل وقت آیا تھا بڑے بڑے نامور ساتھی قدم نہ جما سکے حتیٰ کہ حضرت عیمرؓ نے مایوس ہو کر تھپسیا پھینک دیئے تھے۔ جیسا کہ شمس العلماء رشیدی نعمانی نے سیرت النبی جلد اول ص ۲۵ پر اعتراف کیا ہے مگر آزمائش کی اُن گھڑیوں میں حضرت حیدرؓ کرار جان تھیلی پر رکھ کر حضورؐ کی حفاظت کے لئے مشرکین پر تباہ توڑ تلے کر رہے تھے اور اپنی جان نثار کرنے پر تیار تھے۔ ان کے لئے اپنے دانت توڑنے سے زیادہ ضروری اُس وقت دشمن کے دانت توڑنا تھا۔ چنانچہ آپؐ اپنے رسولؐ کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگاتے رہے۔ وہ لوگ جو میدان سے بھاگ کر چھپ گئے تھے ان کے لئے موقعِ سیر تھا کہ وہ اپنے دانت توڑ کر اپنی محبت کا مظاہرہ کرتے۔ ان کے پاس وقت بھی تھا۔ تنہائی بھی تھی اور پہاڑ کے پتھر بھی تھے۔

جس طرح حضرت علیؓ علیہ السلام کو حفاظتِ رسولؐ کی خاطر مشرکین کے

دانت کھٹے کرنا ضروری تھا اسی طرح غلامان علیؑ کو اپنے دانت توڑنے کی بجائے دشمن و مخالف کو دندان شکن جواب دینے کے لئے دانتوں کی ضرورت ہے۔ ورنہ جذبہ عشق و محبت میں سر بھوڑ نایا دانت توڑنا معمولی بات ہوتا ہے۔ اگر ہم ہر سال پھیلوں اور زخموں سے ماتم کر سکتے ہیں، دیکھتے ہوئے انکاروں پر چل کر سیدہ کو بی کر سکتے ہیں تو دانت بھی توڑ سکتے ہیں۔ ہم اپنے دانت توڑ کر آپ کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر نہیں ہونے دیں گے۔ جہاں بنو عباس اور بنو امیہ کے ظلم و جور ہماری مرتبہ خوانی اور سوز خوانی کو نہ روک سکے وہاں آپ کی بڑ کی کیا وقعت ہے۔

”انسان کو بیدار تو سو لینے دو  
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین“

## دلیل نمبر ۱۳

اسلام دین فطرت ہے۔ رونا فطرتِ انسانی ہے۔ بچہ پیدائش کے بعد زندگی کا آغاز رونے سے کرتا ہے۔ دنیا میں ہر مذہب و ملت کے نزدیک رونا ممنوع نہیں ہے۔ جسمانی، ذہنی یا روحانی تکلیف کے پہنچنے پر ہر انسان کے آنسو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اور آنسو نہ صحتِ عظم کا نشان بلکہ عظم کا ازالہ بھی ہیں۔

۱۔ پیدائش کے بعد بچہ کا رونا مروجہ قاضی صاحب کی جوابی عبارت

ماتم میں روتا ہے ؟

۲۔ اگر بچہ روتا ہے تو پیشاب پاخانہ بھی کرتا ہے تو اس فطرتِ انسانی کے پیش نظر پیشاب پاخانہ کی مجالس بھی قائم ہونی چاہئیں۔ واہ کیا خوب عقل ہے۔ سبحان اللہ۔

۱۔ ملک صاحب کی اس فطرتی دلیل سے تو آپ بھی انکار نہ کر سکے۔ البتہ بچہ کس کے ماتم میں روتا ہے تو اس کا جواب تو

ہمارا جواب

وہی دے سکے گا جس کو اپنا وہ رونا یاد ہو گا۔ مگر سنا ہے کہ جب آدم کو جنت سے اس خطہ ارضی پر بھیجا گیا تو آپ اس انتقال مکانی پر روئے اور یہی وجہ ہے کہ بنی آدم اس دنیا میں آتے ہی روتے ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے تو یہ تو وجہ گریہ ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے کہ یہ فطرت ہے کہ جدائی اور مفارقت کے صدمہ میں رونا آتا ہے۔ اور چونکہ رونا مقتضائے فطرت ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رونے کو پسند کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ

”کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ اور مضحکہ اڑاتے ہو اور روتے

نہیں ہو؟“

ارشاد باری تعالیٰ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ رونے کو پسند کرتے ہوئے رونے کا حکم دیتا ہے اور اس کی مخالفت میں مضحکہ خیزی کو ناپسند کرتا ہے بچانچہ ندامت و پشیمانی میں، خوف و آلام میں اور مصائب و تکالیف کی حالت میں گریہ نزاری کرنا خاصانِ خدا کا شعارِ رب ہے۔ اور چونکہ رونا ”مامم“ کا معاون فعل ہے لہذا مامم کی دلیل قرار پایا۔

۲۔ مجالس رونے کی نہیں بلکہ رونے کے لئے ہوتی ہیں۔ ایسے مقدس اجتماع کیلئے جن میں خدا و انبیاء و ائمہ اور بزرگانِ دین کے تذکرے ہوں محمد و آل محمد علیہم السلام کے فضائل و مصائب کا بیان ہو۔ قرآن کی آیات کی تلاوت ہو۔ درود شریف اور احادیث نبوی پڑھی جاتی ہیں۔ ایسی پاکیزہ محافل کو پیشاب و پاخانہ کی مجالس سے تشبیہ دینا عقل سے عاری۔ تہذیب و اخلاق سے کورا اور دشمنِ حسین ہونے کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

باقی اگر معترض کو ایسی ناپاک محافل پسند ہوں تو زندہ ذاتی طور پر یہ خدمت کرنے کے لئے تیار رہے گویا وہ برابر برداشت نہ کر سکیں گے۔

## دلیل نمبر ۱۲

ٹریجیڈی آف کربلا ۶۱ھ کو واقع ہوئی۔ سانحہ کربلا کے وقت اسلام میں کوئی فرقہ بندی نہ تھی۔ قاتلانِ امام حسین دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکے تھے۔ آج امام حسین کا ذکر اور ان کی حمایت کرنا گویا امام مظلوم کا ساتھ دینا ہے۔ اور حسینیہ کی مخالفت کرنا یزیدیت کی حمایت کرنے کے برابر ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تحقیق میرا یہ فرزند حسین زمین کربلا پر قتل کیا جائے گا۔ پس تم میں سے جو شخص اس وقت موجود ہو وہ حسین کی مدد کرے۔

(ینابیع المودۃ باب ۶۰)

قاضی مظہر حسین صاحب کا جواب | ۱۔ ماتم کرنے کو امام حسین کی حمایت سے کیا تعلق ہے حسینیہ تو

یہ ہے کہ امام حسین نے جس شریعت اور سنت مقدسہ کے لئے اپنی جان قربان کی تھی۔ اس کی اتباع کی جائے۔ اور اعمالِ صالحہ کو رائج کیا جائے۔ شرک و بدعت اور بت پرستی کے مظاہر کو مٹایا جائے۔

امام عالی مقام کو دعوت دینے والے بھی کو فی ہیں۔ اور یزیدیت کی حمایت میں شہید کرنے والے غدار بھی کو فی لوگ ہی ہیں جو ماتم امام حسین نے ساری عمر نہیں کیا اس کا ارتکاب حسینیہ کی حمایت ہے یا مخالفت ؟

۲۔ اخبار ماتم ص ۹۶ میں ہے کہ سب سے پہلے شہادت حسین کا ماتم نزیہ کے گھر میں اس کی بیوی ہندہ نے بپا کیا تھا۔ اب یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ حسینیہ کیا ہے اور یزیدیت کیا ہے ؟

## جوابِ شتاق

۱۔ یہ تو دنیاۓ انصاف سے سوال کر کے جواب طلب فرمائیے کہ کسی عزادار کھلانے سے اظہارِ تعزیت کرنا۔

اُن کے غم میں شریک ہونا۔ حمایت ہے یا مخالفت۔ خدا کی قسم ایک بھی صاحبِ ہوش ایسا نہ ہو گا جو ایسے ہمدردانہ جذبات کو مخالفت قرار دے۔ مگر جب عقل ساتھ چھوڑ دے۔ ہوش اُڑ جائے اور تعصب اندھا کر کے دلوں کو مقفل کر دے تو ہمدردی بھی عنادِ محسوس ہونے لگتی ہے۔ امام حسینؑ کی یادگار منانا، کارنامہ حسینؑ کا تذکرہ کرنا، جذبہٴ محبت میں سرشار ہو کر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کرنا اگر حمایت نہیں تو بتائیے حسینؑ کے ذکر شہادت کا بیان کرنا و اعظ پر حرام قرار دینا حمایت ہے۔ اللہ آپ کی اصلاح فرمائے۔

امام حسینؑ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنا بلاشبہ حسینیت ہے۔ مگر عزاداری کرنے سے اس پہلو کو کیا نقصان ہے۔ کیا اُن کی غمگساری کے عالم میں ایسا اتباع و پیروی بطریقِ احسن نہ ہوگی۔ باقی اعمالِ صالحہ کو رائج کرنے کا کام تو رسولِ کریمؐ اپنے فرض منصبی کے مطابق پورا فرما گئے۔ ہم اعمالِ صالحہ کو رائج کیے کر سکتے ہیں۔ ہم توصیفِ اِن اعمال کو اپنا کر صالح بن سکنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ باقی رہی بات مشرک و بدعت اور بت پرستی کی تو اس کے مظاہر پہلے ہی مٹ چکے ہیں۔ عالمِ اسلام میں کوئی جماعت ان پر عامل نہیں۔ یہ محض آپ جیسے حضرات کی مہربانی ہے کہ اہل توحید کو بلا و جبرِ مشرک و بدعتی بناتے رہتے ہیں۔ ورنہ اس کا کوئی ٹھوس یا کمزور ثبوت اس سلسلہ میں آپ کے پاس نہیں ہے۔ امام حسینؑ کو اہل کوفہ نے دعوت دے کر شہید کر کے غداری کی تو ہم اُن پر صبحِ شام لعنت کرتے ہیں۔ جبکہ آپ کے ہاں ان کو ثقہ تک تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور تاہلِ امام حسینؑ جیسے شخص سے آپ کے امامِ بخاری نے روایت نقل کر لی ہے۔ انصار ہے کہ کسی راوی کا محض شیعیت سے متہم ہونا اس کی بے اعتباری کے لئے

کافی ہوتا ہے جبکہ شمر بن ذی الجوشن قاتل امام پاک حبیبہ ملعون سے آپ کے امام نے روایت قبول کر لی ہے۔ اب بتائیے حسینیت کی حمایت وہ لوگ کرتے ہیں جو قاتلان حسین پر لعنت کرتے ہیں۔ یا وہ لوگ جو ان ملائین کو معتقد سمجھتے ہیں۔ حمایت و مخالفت کا فیصلہ خود کر لیجیے۔ باقی رہ گیا یہ سوال کہ امام حسین نے ساری عمر ماتم نہ کیا جہاں البتہ پر مبنی ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنا ماتم نہیں کرتا ہے۔ تاہم امام حسین علیہ السلام نے اپنے جتر امجد سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پدر بزرگوار سید الاولیاء امیر المومنین علی علیہ السلام، والدہ ماجدہ سیدۃ النساء فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا اور برادر محترم امام حسن علیہ السلام کے سانحہ ہائے ارتحال پر جی بھر کر ماتم برپا کیا۔ اُسکندہ صفحات میں ہم ایسے شواہد پیش کر رہے ہیں۔ پس حسینیت یہی ہے کہ حسین کی محبت کا حق ادا کرتے ہوئے ان کے مصائب پر عزاداری کر کے ان کے مودیان کی مخالفت کی جائے۔ یہی ان کے موقف کی حمایت ہے۔ واضح ہو کہ بغیر محبت کے ان کے اُسوہ کی پیروی کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اور محبوب کی یاد کا ہر وقت دل میں رہنا لازمی امر ہے۔ عاشق کی زبان پر صبح و شام اس کے معشوق کا نام رہتا ہے۔ وہ لوگ جو حسین کا ذکر بند کر دانا چاہتے ہیں ان کا یہی منشا ہے لوگ حسین کا نام نہ لیں اور یہ سیدھی بات ہے کہ ایسا کرنا حمایت نہیں بلکہ کھلی مخالفت ہے۔

۲۔ ”اخبار غم“ نامی کتاب ہمارے ہاں کوئی معتبر کتاب نہیں ہے کہ جسے حجت مان لیا جائے۔ ہندو زوجہ یزید کا ماتم کرنا علمائے شیعہ میں ایک متنازعہ واقعہ ہے۔ تاہم اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس سے عزاداری کرنا مذموم نہیں سمجھا جاسکتا۔ کیونکہ یزید کے گھر میں قرآن خوانی بھی ہوئی اور وہاں نمازیں بھی پڑھی جاتی تھیں۔ ایک نیک عمل کا وقوع کسی بدکار گھر میں ہو جانا اس عمل کے استحباب و حلت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا۔ ویسے یزید کے بیٹے معاویہ ثانی نے اپنے باپ اور دادا پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ لہذا ہمیں یزید کی ذات یا اس کے خاندان سے کوئی

ذاتی یا نسبی پُر خاش نہیں۔ اگر بی بی آسیہ زین فرعون ہو کر عین موسیٰ ہو سکتی ہے تو پھر زوجہ یزید کی تعزیت اور ماتم داری بھی قابلِ تعریف ہوگی۔  
موسویت اور فرعونیت کا فیصلہ کر کے اسی کو حسنین اور یزیدیت پر منطبق کر کے قتل کر لیجئے۔

## دلیل نمبر ۱۵

فریقین کی معتبر روایتوں میں ام المومنین عائشہ جابر بن عبد اللہ اور انس وغیرہ سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب نے فرمایا جو شخص کربلا میں امام حسین کی زیارت کرے در آنحالیکہ ان کے حق کو پہچانتا ہو تو اس پر بہشت واجب ہوتا ہے۔

بیان قاضی جی | ۱۔ فریقین (یعنی سنی اور شیعہ) کی کتابوں کا حوالہ نہیں لکھا گیا تا کہ معلوم ہو کہ یہ روایت کیسی ہے۔  
۲۔ امام حسین کے مزار کی زیارت کرنے سے ماتم کا عبادت ہونا کیسے

ثابت ہو گیا؟

۳۔ جو شخص امام حسین کے صبر اور نماز کی پیروی نہیں کرتا اور سنت کا تارک ہے اور بدعات کا مرتکب ہے وہ امام حسین کا حق پہچاننے والوں میں شامل ہی نہیں ہو سکتا پھر حنبت کا مستحق کیسے ہو گیا؟

بیان راقم | ۱۔ شیعہ حوالہ تو آپ کو قبول نہ ہوگا ورنہ کتب زیارات میں اس مضمون کی کافی روایات موجود ہیں۔ مثلاً کامل الزیارات وغیرہ۔ ملک صاحب نے سنی سے مراد بریلوی فرقہ لی ہے۔ جن کا عمل از خود شہادتِ دلیل ہے۔ رہ گیا دیوبندی کتاب کا حوالہ تو اس کی امید کم ہے۔ البتہ اسوۂ صوفیاء عظام میں اس مطلب کی عبارتیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۲۔ دلیل ماتم کو عبادت ثابت کرنے کے لئے پیش ہی نہیں کی گئی ہے۔ صرف

اجر زیارت امام حسینؑ سے متعلق ہے۔ اس لئے اس کا ماتم سے بظاہر کوئی واسطہ نہیں۔ سوال گندم جواب جو ہے۔

۳۔ آپ نے دیے لفظوں میں تسلیم کیا ہے کہ وہ شخص جو حق حسین کی معرفت رکھے مستحق جنت ہو گیا۔ جبکہ سنت کا تارک اور بدعات کا مرتکب حق شناس ہی نہیں لہذا اس کے لئے اس میں کوئی مفاد نہیں۔ لیکن یاد رکھیے اطاعت کے بغیر قربا، قرب کے بغیر محبت اور محبت کے بغیر معرفت ممکن ہی نہیں۔ اور محبت کا عام درجہ یہ ہے کہ محبوب کا نام ہر وقت زبان پر رکھے۔

پس خود فیصلہ کیجئے کہ ”ذکر حسین“ کو حرام قرار دے کر محبت کا دعویٰ کس طرح پتلا ہو سکتا ہے۔

## دلیل نمبر ۱۶

حضرت محمد رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حسین پر ان کا حق پہچانتے ہوئے روئے اس پر جنت واجب ہے۔

اس روایت کا بھی حوالہ نہیں پیش کیا گیا۔

### قاضی مظہر حسین صاحب کا جوابی بیان

۲۔ پھر اس میں ماتم مردوجہ کا تو کوئی ذکر نہیں۔

۳۔ اگر صرف رونے سے جنت ملتی ہے تو پھر شریعت کی کیا ضرورت ہے۔

۴۔ آئمہ اہل بیتؑ امام زین العابدینؑ، امام محمد باقرؑ، اور امام جعفر صادقؑ نے ایسی مجالس ماتم کیوں قائم نہیں کیں بلکہ ان امور کو حرام قرار دیا جیسا کہ آئندہ حوالجات میں پیش کیا جائے گا۔

ایسی مشہور روایت کے لئے حوالہ کی ضرورت تو نہیں بہر کیف ایسی متعدد روایات میں سے چند پیش خدمت

### محرر کا بیان

ہیں:-



اہلسنت ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں کہ:-  
 ”جس شخص کی آنکھوں نے امام حسین کی شہادت پر آنسو بہائے  
 خواہ ایک قطرہ اشک ہی ہو اس کا مقام جنت ہے۔“  
 مولوی محمد حسین قرنگی علی نے اپنی کتاب وسیلۃ النجات میں یہی روایت  
 مسند احمد بن حنبل کے حوالہ سے ص ۲۰۵ پر نقل کی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی مشہور تصنیف ”اصابہ“ کی جلد ۱ ص ۲۲۶  
 پر تحریر کرتے ہیں کہ فرمایا رسولؐ نے کہ کوئی بھی بندہ میرے  
 فرزند حسین پر روز عاشورہ روئے اللہ اس کو روز قیامت اولوالعزم  
 رسولوں کی معیت میں بہشت میں جگہ دے گا۔ اور یہ بھی ارشاد کیا کہ  
 یوم عاشورہ کو گریہ زاری کرنا قیامت کے دن نوزائیدہ ہوگا۔“ مولوی  
 مہدی علی حنفی نے لکھا ہے کہ ”جو حسین پر رونے اور رولانے والا ہوگا واجب  
 ہوگی اس پر بہشت“ (انہیں الذکرین ص ۱)  
 ۲۔ جب ماتم کے معنی میں گریہ و بکا داخل ہے تو پھر مروجہ ماتم کے ذکر  
 کا سوال ہی جہالت پر مبنی ہے۔

۳۔ ملک غلام عباس صاحب کی دلیل میں پیش کردہ روایت میں قطعاً  
 یہ تحریر نہیں ہے کہ شخص رونے سے جنت ملتی ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ حسین کا حق  
 پہنچتے ہوئے رونے سے جنت حاصل ہوتی ہے۔ اور خود قاضی صاحب نے گذشتہ  
 دلیل کے جواب کے تیسرے پیر میں حق شناسی کی تعریف یہ کی ہے کہ بے صبر  
 تارک الصلوٰۃ اور بدعتی حق شناس ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ  
 حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر آہ و بکا ہی کرے گا جس کے دل  
 میں حسین کی محبت ہوگی۔ محبت اطاعت و اتباع کے بغیر کامل نہیں ہو سکتی۔  
 لہذا محب حسین یقیناً سیرت حسین کا پیروکار بھی ہوگا۔ اور حسین کی پیروی  
 ہی دراصل شریعت محمدیہ کی پیروی ہے۔

۴۔ آئمہ اہل بیت کی عزاداری کے اثبات آئندہ اپنے مقام پر پیش کئے جا رہے ہیں۔ یہاں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام نے مجالس ماتم قائم نہ فرمائیں اور ان امور کو حرام قرار دیا۔ مفصل بحث آئندہ آرہی ہے یہ مطمئن رہیں۔

## دلیل نمبر ۱

حضرت امام حسین کا غم وہ غم ہے جس پر انسان تو کھاجن و ملک چرند و پرند آسمان و درخت سب نے گریہ کیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آسمان حضرت امام حسین پر چالیس دن تک روتا رہا۔ (ینابیع المودت مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۳۹۲) از علامہ شیخ سلمان حنفی قندوزی

ثابت ہوا کہ مرثیہ پڑھنا۔ رونا اور ماتم کرنا انبیاء کی سنت اور سیرت اصحاب رسول اکرم ہے۔

۱۔ ینابیع المودت حنفیوں کی کوئی مستند کتاب نہیں۔

**الجواب** پھر قرآن و حدیث کے صریح ارشادات کے خلاف ایسی روایتیں کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہیں۔

۲۔ اس عبارت میں بھی منہ پیٹنے اور سینہ کو پی کا کوئی ذکر تک نہیں۔

۳۔ کیا فرشتوں کی فطرت بھی رونا اور ماتم کرنا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۴۔ کیا ہر سال زمین و آسمان ماتم کرتے ہیں؟

**جوابی التماس** "ینابیع المودت" نامی کتاب کا ذکر غلام عباس صاحب نے تو کیا ہی نہیں ہے۔ البتہ "ینابیع المودت" قسطنطنیہ

کے مفتی اعظم علامہ شیخ سلیمان حنفی قندوزی کی تحریر ہے جسے آپ کے مستند ماننے پر ہمیں کوئی افسوس نہیں کیونکہ یہ آپ لوگوں کا بہت پرانا

شیوہ ہے کہ بوقت ضرورت آپ اپنی ہر کتاب ہی کا نہیں بلکہ اکثر آیات قرآن کا انکار کر دیتے ہیں۔ ہمیں تو ایسی کوئی آیت قرآن یا حدیث صحیح دستیاب نہیں ہوئی ہے جس میں ممانعت عزاداری کی صراحت ہو۔

بہر حال آپ کے حیدر علما مثلاً علامہ ابن اثیر جزری، علامہ ابن سعد، علامہ ابن حجر، سبط ابن جوزی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہم جیسے حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں ان روایات کا ذکر کیا جن میں کائنات کی ہر شے کے غم حسین میں عزادار ہونے کے شواہد موجود ہیں۔ مثلاً علامہ ابن حجر مکی رقمطراز ہیں کہ ”ابوسعید کہتا ہے قتل حسین کے دن جس پتھر کو بھی اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا تھا۔ اور آسمان نے بھی خون برسیا جس کا اثر مدت تک کپڑوں پر رہا۔ ابو نعیم فرماتے ہیں کہ روز قتل حسین ہمارے ملے خون سے پڑتھے۔“ صواعقِ محرقہ ص ۱۹۲

تفسیر جلالین صفحہ ۱۱۲ حاشیہ نمبر ۲ مطبوعہ کراچی میں ہے :-  
”فما بکت علیہم السماء“ کے ماتحت بقول سدی تحریر ہے کہ ”لما قتل الحسين ابن علی بکت علیہ السماء“ یعنی جب امام مظلوم قتل ہوئے تو ان کی شہادت پر آسمان رویا اور آسمان کا رونا، اس کا سرخ ہو جانا غیظ و غضب خون اشک بہانے کی دلیل ہے۔

حافظ ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں امام شعبی، زہری اور ابو قتادہ کی اسناد سے لکھتے ہیں :- ”امام حسین علیہ السلام قتل ہوئے تو سورج میں گھن گنگ

گیا۔ یہاں تک کہ تارے نکل آئے۔“ (واقعاتِ کربلا ص ۵۵)  
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب ”سراشاہداتین“ کے صفحہ ۶۶ پر جنات کا نوحہ و رکا کرنا بیان کیا ہے۔ اور جو مرتدہ جنات نے روتے ہوئے امام حسین پر پڑھا اس کے اشعار نقل کئے ہیں۔ جنوں کا نوحہ اُم المومنین بی بی اُم سلمہ نے بھی سنا ہے (صواعقِ محرقہ سراشاہداتین)



بلکہ زنجیری ماتم ہے جو روز ہوتا ہے۔  
(صواعقِ عمرتہ مطبوعہ مصر قدیم ص ۱۱۷ بحوالہ فلاح الکونین)  
زمین کا ماتم اس سے ظاہر ہے کہ آج بھی وقت شہادت روزِ عاشورہ  
خاکِ کربلا سرخ ہو جاتی ہے۔

## دلیل نمبر ۱۸

اے مُنکرِ عَمِ گرجہ میرے پیر نہ ہوتے  
مسما رحلِ دین کے تعمیر نہ ہوتے  
حسین کی قربانی سے زندہ ہے یہ اسلام  
مٹ جاتا اگر دنیا میں شبیر نہ ہوتے  
قاضی مظہر حسین صاحب کا جوابِ آخر  
راہِ اشعار میں تو دعویٰ ہے نہ کہ  
دلیل۔

۲۔ اس کو ماتم سے کیا تعلق۔  
۳۔ کیا دین کے عمل میں رحمت اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے کوئی ماتم کی اینٹ بھی لگائی ہے۔ یا دین کا عمل نماز، روزہ،  
صبر و رضا جیسے اعمالِ صالحہ سے تعمیر کیا ہے؟  
۱۔ اشعار میں بلاشبہ دعویٰ ہے مگر یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں  
ہماری معروضات ہے۔ چنانچہ حکیم الامت علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں کہ:

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است پس بنائے لا الہ الا گرویدہ است  
نقشِ الا اللہ بر صحرانِ نوشت سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت  
تارِ مارِ زخمِ اش رزاں مہنوز تازہ از تکبرِ او ایماں مہنوز  
لے صبا اے پیکِ دُور افتادگان اشکِ مایہِ خاکِ پاک اوریاں  
۲۔ حسین علیہ السلام کی شہادت نے اسلام کے مردہ جسم میں روحِ حیات

پھونکی۔ ماتم نے اس بے نظیر قربانی کو آج تک زندہ رکھا۔ ذکرِ حسین اور ماتمِ حسین کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں حسین کے مصائب کا ذکر ہوگا وہاں ماتمِ حسین خود بخود برپا ہوگا۔

۳۔ یہ تنگ دل مُکلا کی کوتاہ فہمی ہے کہ اس نے دین کو تسبیح و مصلیٰ تک محدود کر رکھا ہے۔ لیکن سرورِ دو عالم سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کے عمل کو تعمیر کیا۔ اس میں سماجی و معاشرتی فلاح کے محسوس بھی بنائے۔ آپ نے ایسا معاشرہ عملاً تشکیل دیا جس میں رہن سہن اور باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے کے عمدہ طریقے تعلیم فرمائے۔ بین الاقوامی مدنیت اور شہری اخلاق کے تمام ضابطے اس معقول حکمتِ عملی پر متفق ہیں کہ بوقتِ مصیبت اظہارِ افسوس کیا جائے۔ غم کے اوقات میں تعزیت کے جذبات کا مظاہرہ کیا جائے۔ اس سے باہمی اخوت، آپس کی محبت اور کرداری خلوص کو تقویت پہنچتی ہے۔ اس کے برعکس اگر بوقتِ صدمہ کسی ملول کے ساتھ بے رُخی، عدمِ توجہگی اور اظہارِ مسرت کے ساتھ پیش آیا جائے گا تو اسے انتہائی سنگدلی اور عداوت سے تعبیر کیا جائے گا۔ انتقالِ پُرِ طال تو بعد کی بات ہے۔ اسلام تو معمولی مریض کی عیادت و مزاجِ پرسی سے غفلت کی باز پرس کرتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسے مقتدل و متوازن دین کو یہ کہہ کر بدنام کیا جائے کہ اس کو تلافیِ حیا پر کوئی رنجش نہیں ہوتی۔ اگر اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ صدمہ کے اوقات پر غم نہ کیا جائے۔ تو ایسے دین کو آج کی دنیا دین بے رحم سے یاد کرے گی۔ چنانچہ آئندہ صفحات میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کردارِ مقدس سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اظہارِ تعزیت، ماتمِ داری اور سوگواری ایسے اعمال ہیں جن سے اسلامی معاشرہ میں بھائی چارہ، امن و سلامتی اور پُرِ خلوص دوستی کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ اگر محض نماز، روزہ اور دیگر عبادات ہی دین کیلئے کافی ہوتیں تو پھر رہبانیت کی مخالفت کر کے اسلام مادّی دنیا کی جانب توجہ نہ کرتا۔

الغرض جس پاک معاشرہ کی تشکیل رسول پاکؐ نے کی تھی۔ اُمت کے ناہنجار افراد نے اسی کی بنیادیں بڑی جلدی کھوکھلی کر دیں۔ بنی اُمیہ کے قیصر و کسریٰ نے اس مقدس محل کو اس طرح متنزل کرا دیا کہ وہ منہدم ہونے سے بال بال بچا۔ اگر حسینؑ سہارا نہ دیتے اس کا حشر بھی آثارِ قدیمہ کے موافق ہوتا۔ گویا امام حسینؑ کی قربانی منہدم اسلام کی تعمیر کی بنیادی اینٹ تھی۔ عزاداری اس مایہ ناز قربانی کی یاد تازہ کرنے کا انتہائی ہمدردانہ طریقہ ہے۔ چنانچہ مفکر اسلام شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال جو ردِ ہر صریح کیا کرتے تھے اس کا آخری شعر یہ تھا

از فکر عاقبت رہیم

جنسِ غم آلِ تو خیریم

یعنی مولا! میں عاقبت کی فکر سے چھوٹ گیا ہوں۔ کیوں کہ میں نے آپ کی آلِ پاکؐ کے غم کی جنس کو خرید لیا ہے۔

الغرض ہر سال بلکہ ہر وقت حضرت سید الشہداء سرکارِ امام حسین علیہ السلام کے غم منانے کی تجدید و تاکید ضروری ہے۔ تاکہ پرستارِ ابنِ بنی اُمیہ اس داستانِ معرکہِ حق و باطل کو طاقِ نسیاں میں نہ رکھ چھوڑیں۔ یہ فرزندِ رسولؐ کی شہادت ہے۔ لختِ جگرِ بتول کا بے جرم و خطا ہیما نہ قتلِ عمد ہے۔ وہی رسولؐ کے نورِ نظر کی بے مثال قربانی ہے۔ بھول جانے والی کہانی نہیں۔ لا پرواہی اور بے اعتنائی کا مقام نہیں۔ جو لوگ اس کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا تو وہ محبتِ حسینؑ سے بے بہرہ ہیں۔ یا پھر قاتلانِ حسینؑ اور ظالموں کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ عزاداری حسینؑ سے نہ ہی کسی کو کسی طرح اسے کوئی نقصان پہنچتا ہے اور نہ ہی تکلیف۔

عزاداری حسین علیہ السلام شرعاً، عقلاً، اخلاقاً، تہذیباً، تمدناً اور ثقافتاً  
بہر لحاظ سے جائز، مباح اور موجب ثواب ہے۔ خداوند تعالیٰ ہمیں اس کے بجا  
لانے کی مزید توفیق عطا کرے اور مخالفین کی اصلاح کرے۔ (آمین)

## خلاصہ جوابات (قاضی)

یہ ہے کہ مذکورہ ۱۸ دلائل میں سے کسی ایک دلیل سے بھی مروجہ ماتم  
ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ ماتم عبادت ہوتا تو اولاً قرآن میں اس کا حکم صریح  
ہوتا اور ثانیاً احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح ہوتی۔ اور نعوذ باللہ خود رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتم کی مجالس بپا کرتے جیسا کہ نماز، روزہ وغیرہ  
عبادات پہلے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی ہیں۔

## جوابی تبصرہ

یہ فیصلہ قارئین پر منحصر ہے کہ مذکورہ ۱۸ دلائل سے ماتم ثابت ہو سکتا ہے  
یا نہیں۔ لیکن قاضی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کا جواب آغا سید و اصف حسین  
صاحب نقوی کی زبان سے سن لیجیے۔ اولاً بقول شمساً۔  
”اگر قرآن حکیم میں ماتم کے جواز کی نص صریح موجود نہیں ہے۔  
تو آپ ماتم کے حرام ہونے کی صریح نص پیش کر کے شیعیان تلنگ  
سے ایک لاکھ کی کثیر رقم انعام میں حاصل کریں۔ لیکن ہم جانتے ہیں  
کہ آپ قرآن مجید سے ماتم کا حرام ہونا کبھی ثابت نہیں کر سکتے۔  
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں  
اصولاً یہ ثبوت پیش کرنا بھی حرمت کے قائلین کا فریضہ ہے۔ کیونکہ جب تک



کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو جائے تب تک شرعی قواعد کی رو سے اسے جائز و مباح سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ اصول فقہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کل شئی مطلق حتیٰ یرو فیہ عفیٰ یعنی جب تک شرعی ممانعت وارد نہ ہو اس چیز کو مباح سمجھنا چاہیے۔

ثانیاً کسی ایسی حدیث سے جو بلاشبہ زبان مبارک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسب ہو ماتم کا ناجائز یا حرام ہونا۔ انشا اللہ العزیز کبھی ثابت نہ ہو سکے گا۔ سوائے ایسی حدیث کے جو بنی اُمیہ حدیث و رکس (مٹھن) میں تیار کی گئی ہو۔ لیکن ایسی حدیث جو قرآن سے مطابقت نہ رکھے کسی مسلمان کے نزدیک قابل قبول نہیں ہے۔

ثالثاً۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ کی عملی تعلیم دی ویسے ہی اپنے مہربان چچا حضرت ابوطالبؓ اور اپنی پیاری بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے سال وفات کو۔۔۔ عام الحزن کا نام دے کر یعنی سال بھر غم مناکر یونہی اپنے چچا سید الشہدا حضرت حمزہؓ پر خود رو کر اور انصاری عورتوں کو ماتم کا حکم دے کر نیز اپنے فرزند جگر بند حضرت ابراہیم پر چشم مبارک سے اشک غم بہا کر گریہ و بکا کی سنت قائم کر دی۔

رابعاً۔ ہر سال صحابہ کے ساتھ احد کی گھماٹی میں شہدائے احد پر فاتحہ پڑھنے اور دعا کرنے کے لئے جانا۔ غم شہدا میں ہر سال جلوس نکالنے کی عملی تعلیم نہیں تو اور کیا ہے ؟

دیدہ بینا رکھنے والوں کے لئے تو اس میں سنت نبویؐ کے جلوے نظر آ رہے ہیں مگر دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

## مروجہ ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کے دلائل

(از قاضی مظہر حسین صاحب)

قرآن مجید میں کتنی آیات ایسی ہیں جن میں ایمان والوں کو صبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اور صبر کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ مثلاً  
۱۔ اے ایمان والو! مدد حاصل کرو تم ساتھ صبر اور نماز کے۔ بیشک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔“ (البقرہ)

۲۔ اور مسلمان وہ ہیں جو سختی، تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔ (پ)  
۳۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ صبر کرنے والے سچے اور متقی ہیں۔ یہ کسی جگہ نہیں فرمایا کہ صبر چھوڑنے والے اور سینہ کو بے کرنے والے سچے اور عہتی ہیں۔ یا ماتم کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔

۳۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہم نے جو ان کو رزق دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کیا اور وہ بھلائی سے بُرائی کو مٹاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے آخرت کا گھر اور بہشت ہیں۔ (پارہ ۱۱ سورۃ الرعد رکوع ۳)  
اس آیت میں نماز پڑھنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے نہ کہ ماتم کرنے والوں کو۔“

## جوابی دلائل

۱۔ سب سے پہلے یہ عرض ہے کہ عزاداری منافی ”صبر“ نہیں ہے۔ اور حکم صبر

محانت عزاداری کی دلیل قرار نہیں پاسکتا ہے۔ اگر رونادھونا صبر کے خلاف ہے پھر قرآن میں سورہ نبی اسرائیل میں کیوں کہا گیا ہے کہ گریہ زاری خشوع میں اضافہ کرتی ہے۔ (دیکھیے چودہ مسئلے ص ۵۵)

پس تینوں آیات جو صبر سے متعلقہ ہیں ماتم کے حرام یا ناجائز ہونے کی دلیل میں برگز پیش نہیں کی جاسکتی ہیں۔

۲۔ اگر عزاداری صبر کا متضاد ہے تو براہ نوازش آیات کا ترجمہ اس مفہوم سے کر کے عبارت کا ربط قائم رکھ کر دکھائیے۔

۳۔ اگر ماتم بے صبری ہے تو پھر جواب دیا جائے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طویل المدت ماتم داری جو کہ اس حد تک تھی کہ بقول قرآن مجید قریب بہ ہلاکت تھی اُسے صبر جمیل کیوں کہا گیا۔

۴۔ قرآن حکیم سے تو غم منانا، سو گوار ہونا ”صبر“ کے اعلیٰ مدارج میں داخل ثابت ہے یعنی صبر جمیل ہے۔

۵۔ پُر وقت و غمگین جذبات سے خدا سے دعا کرنا۔ نماز میں بحضور خداوند کریم گرد گڑانا۔ رو رو کر خضوع و خشوع میں اضافہ کر کے حاجت طلب کرنا تو عابدین کرام کا شیوہ رہا ہے۔ اگر یہ گریہ ناجائز ہے تو پھر خاصانِ خدا نے اس فعلِ حرام کا ارتکاب عین حالتِ عبادت میں کیوں کیا؟

پس آپ کا خود ساختہ مفہوم لغو ہے کہ عزاداری بے صبری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی پیش کردہ آیت میں مستعمل لفظ کا ترجمہ مفسرین نے بایں الفاظ کیا ہے۔

”اے مسلمانو! قوت پکڑو و ثابت رہو اور نماز سے اللہ کی راہ میں بے شک اللہ ساتھ ہے ثابت رہنے والوں کے“ (ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی)

فی الحقیقت یہاں صبر کے معنی استقامت و ثبات قدمی ہی کے ہیں کیونکہ اگلی آیت میں جہاد کا تذکرہ ہے۔ اللہ تو مجاہدے میں مسلمانوں کو پیر مضبوط کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ اور قاضی صاحب اس کو ماتم نہ کرنے کی دلیل بنا رہے ہیں اب اللہ کی بات مائیں یا قاضی جی کی۔

اسی طرح دوسری آیت شریفہ کا ترجمہ آپ کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی سے پوچھ لیتے ہیں۔ آپ نے بتایا ہے کہ ”جو لوگ مستقل رہنے والے ہوں۔ تنگ دستی اور بیماری اور قتال میں یہی لوگ (سچے) منتقی (مجھے جاسکتے ہیں)“

اسی آیت کا ترجمہ شاہ عبدالقادر محدثیوں کرتے ہیں کہ ”جو ٹھہرنے والے سختی اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے وہی سچے ہوئے اور وہی بچاؤ میں آئے۔“

یہاں بھی شاہ صاحب کا ترجمہ ہی صحیح ہے کہ جہاد میں جتنی سختی ہو، جنگ میں جتنی تکلیف کا سامنا ہوں۔ میدان میں ڈٹے رہو۔ بھاگو نہیں۔ ”بنیانِ مڑو“ بن جاؤ۔ پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں بھی صبر سے مراد جہاد میں ثبات قدمی ہے اور میدانِ جنگ سے فرار بے مبری ہے۔ لہذا مجاہد غیر فرار کے ساتھ اللہ ہے اور وہی سچے اور منتقی ہیں۔ بھگورے بے صبر ہیں ان کے جہاد کا خدا و سچ اور تقویٰ سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔

اب چونکہ ماتم کرنا بے صبر ہونے کی دلیل ہی نہیں لہذا سید الشہداء اہل الجنت حضرت امام حسینؑ کے ماتمی سچے اور جنتی ہیں اور یقیناً اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ ہے کیونکہ ماتمی مظلوم کے ساتھی ہیں۔ اور ظالم کے دشمن لہذا اللہ جو عادل ہے مظلوم گروہ کا ہی ساتھی ہے۔

۳۔ اب تمامنی صاحب کی نقل کردہ تیسری آیت کا ترجمہ بھی شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے قلم سے ملاحظہ کریں۔

”اور وہ جو ثابت رہے۔ چاہتے تو توجہ اپنے رب کی۔ اور کھڑی رکھی نماز۔ اور خرچ کیا ہمارے دئے میں سے چھپے اور کھلے اور کرتے برائی کے مقابلے میں بھلائی ان لوگوں کو ہے پھینکا گھر“

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا ترجمہ یوں ہے۔

”یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے رب کی رضا مندی کے جوياں رہتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے چپکے بھی اور ظاہر بھی کر کے خرچ کرتے ہیں اور برسلو کی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں۔ اس جہان میں نیک انعام ان لوگوں کے لئے ہے۔“

اگر ان مختلف تراجم پر تعصب اور تنگ نظری کو دور کر کے ایماندارانہ غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق مردوجہ یا غیر مردوجہ ماتم سے کسی طرح بھی نہیں ہے۔ لہذا اپنی تفسیر بار لائے کر کے ان آیات کو ماتم کے حرام و ناجائز ہونے کی دلیل بنانا نہ صرف علمی خیانت ہے بلکہ شرعی جہالت بھی ہے۔ علمائے اسلام کے نزدیک خورساختہ تفسیر قرآن حرام بھی ہے اور گمراہ کن بھی ہے۔

**دلیل چہام** ”اصول کافی مائتوں کے نزدیک وہ مستند کتاب ہے جس کے

مائٹیل پر یہ لکھا ہے کہ حنفی امام مہدی علیہ السلام نے اس کتاب کے متعلق یہ فرمایا **هَذَا كَأَفْ لَشَيْعَتَنَا** (یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے)

اس میں یہ روایت ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صبر بیان کے لئے ایسا ہے جیسا کہ جسم کے لئے سر۔ پس جب صبر نہ رہے تو ایمان نہیں اسی طرح شعی امام شعبی بیان کرتے ہیں کہ جناب امیر المومنین قبر رسول پر

رہتا۔ (اسول کافی ص ۱۷۱)

**جواب**

”اسول کافی“ شیعوں کی کتب اربعہ میں ہے۔ ہم اس کے مستند ہونے سے انکار نہیں کرتے جیسا کہ آپ کی عادت ہے لیکن امام مہدی کا یہ تحریر فرمانا کہ یہ شیعوں کے لئے کافی ہے۔ ہمارے ہاں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ ہم ہر مرتبہ اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور صرف احقر الزمن نے اپنی کئی کتابوں میں اس کا تکرار کیا ہے۔ مگر پھر بھی آپ حضرات اس بات کو زبردستی ہمارے سر تھوپتے رہتے ہیں۔ حالانکہ تحقیقات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ طابع نے محض بخاری فوائد کی خاطر یہ جملہ امام سے منسوب کر دیا تھا۔ ہمارے ہاں تو قرآن کے بعد کتب خواہ وہ کتنی ہی مستند و بلند پایہ ہوں، صحیح تک نہیں کہا گیا ہے۔ اور خود علامہ یعقوب کلیسی نے اپنے مقدمہ میں اعتراف کیا ہے کہ اس میں صحیح و ضعیف ہر طرح کی روایات ہیں۔ جبکہ آپ کے ہاں ”صحاح ستہ“ سے مراد جو صحیح کتابیں مانی گئی ہیں ان میں صحیحین کا لقب بخاری و مسلم کو دیا گیا ہے جبکہ بخاری کا درجہ بعد از کلام باری آپ کے ہاں مشہور ہے۔

قطع نظر اس بات کے کہ ہماری رجال کشتی میں یہ روایت جو آپ نے دلیل بنائی ہے۔ ضعیف قرار دی گئی ہے جیسا کہ مرآۃ العقول شرح کافی جلد ۱ ص ۱۷۱ میں تحریر ہے کہ ”الثانی ضعیف علی المشہور“ اور دلائل مسلمات ختم سے ماخوذ ہوا کرتے ہیں۔

ہم آپ کی اس دلیل کو یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ اس میں منزلت صبر کا بیان ہے جبکہ صبر صناعی و عذر اداری نہیں ہے۔ اور ہم اوپر صبر کے قرآنی معنی آپ کے مکتب فکر کی رو سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ جہاد میں ثابت قدمی رہے۔ نیز اس روایت سے ماتم کی حرمت اور عذر اداری کا نا جائز ہونا گہر ثابت نہیں ہوتا ہے۔

## دلیلِ پنجم

امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ صبر اور مصیبت دونوں مومن کی طغرائے آتی ہیں۔ پس اس کو مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کرنے والا ہوتا ہے۔ اور جزع بے صبری مصیبت کافروں کی طغرائے آتی ہے۔ پس اس کو مصیبت آتی ہے تو وہ جزع کرنے والا ہوتا ہے۔

(فروع کافی جلد ۱ ص ۱۲)

اس سے ثابت ہوا کہ امام جعفر صادق کے نزدیک صبر کرنے والا مومن ہے اور جزع کرنے والا کافر ہے۔

۱۔ یہ روایت بھی بطریق ضعیف ہے۔ ملاحظہ کریں مرآۃ العقول جلد ۳ ص ۹۲۔

## جواب

۲۔ یا تو آپ صبر کے معنی سے بے خبر ہیں کہ غم و مصیبت پر خاموش رہنے والے اور گریہ و بکا نہ کرنے والے کو صابر سمجھتے ہیں جو شدتِ صدمہ کے باعث رونے یا پیٹ لے وہ آپ کی نظر میں بے صبر ہے۔ یا پھر جان بوجھ کر تحریف معنوی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رونا پینا ہرگز بے صبری نہیں ہے۔ بلکہ وقتِ مصیبت خدا سے گلہ و شکوہ کر کے اس کو اس مصیبت کا ذمہ دار ٹھہرانا بے صبری ہے یعنی ناعل کے فعل پر ثلث علم کے سبب بیجا اعتراض کرنا یا نکتہ چینی کرنا۔ میرے اس موقف کی تصدیق قرآن مجید میں موجود قصہٴ خضر و موسیٰ سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ نے حضرت خضرؑ سے کہا میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں کہ تم مجھے وہ باتیں سکھا دو جو تم کو علم الدینی سے حاصل ہوئی ہیں۔ حضرت خضرؑ نے کہا تم میں صبر کی استطاعت نہیں۔ تم ایسی بات پر کیسے صبر کرو گے جس کی تمہیں خبر نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ تم مجھے صابر پاؤ گے۔ میں تمہاری کسی بات میں مخالفت نہ کروں گا۔ چنانچہ جب

سخت موسیٰ نے کشتی میں سوراخ کرنے پر اعتراض کیا تو جناب حضرت نے کہا میں نہ کہتا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یہی سبب جناب حضرت نے حضرت موسیٰ کو اس وقت دیاجب انہوں نے قتلِ غلام پر اعتراض کیا۔ لہذا اس قرآنی قصہ کی روشنی میں صبر کے معنوں پر اس طرح روشنی ڈالی گئی کہ بے صبری فاعلِ عالم کے فعلِ مبنی بر علم پر اعتراض کرنے کو کہتے ہیں جس کا موجب لاعلمی ہوتا ہے۔ صبر کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ کَفَّ النَّفْسَ عَمَّا لَا يَنْبَغِي۔ یعنی نفس سے امور ظہور پذیر نہ ہوں جو مناسب و موزوں نہیں۔ صبر درحقیقت رٹائی میں ہوتا ہے۔ یا باسأءٍ وضرأءٍ میں۔ رٹائی میں صبر مطلب ہے پیٹھ دکھانا نہ بھاگے۔

باسأءٍ اور ضرأءٍ میں صبر یہ ہے کہ دُکھ و تکلیف اور مصیبت میں غیر خدا کے سامنے خدا کی شکایت نہ کرے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام باو بود جزع فزع کے صبر جمیل کے درجہ میں رہے۔ وہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے دُکھ کی شکایت اللہ ہی کے پاس کی اور یہ واقعہ ہم گزشتہ اوراق میں سپردِ قلم کر چکے ہیں۔

پس مندرجہ بالا حقائق کی رو سے ثابت ہوا کہ جب تک خدا کے خلاف غیر خدا سے گلہ شکوہ نہ کیا جائے صرف رونا اور سینہ کو بی وغیرہ کرنا برگزیدہ صبر نہیں ہے۔

اس ضعیف روایت سے بھی معترض کی دلیل مضبوط نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں ماتم داری وغیرہ کی ممانعت کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ دو طبقوں کی علامت بیان ہوئی ہے کہ مومن مصیبت میں اپنے ایمان و یقین پر ثبات قدم رہتا ہے اور اس کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی جبکہ کافر مصیبت میں بے صبر بن



کامنظاہرہ کر کے خدا پر اعتراض کرتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ لوگ مصیبت کے اوقات میں واویلا و شور و شیون کر کے تقدیر کو کوستے تھے اور اشعار میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت و حکمت پر تنقید کر کے بے صبری کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ اسی بات کو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس دلیل کو مردود قرار دیتے جیلئے ہمارا صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ضعیف روایت سے استدلال کرنا خلاف اصول ہے جبکہ اس روایت میں بھی صبر و بے صبری کا بیان ہے جسے عزاداری امام حسین علیہ السلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کیونکہ غم حسین میں سوگوار ہونا منافی صبر ہرگز نہیں ہے۔

## جزع کی تعریف

اب یہ دیکھنا ہے کہ ”جزع“ کس کو کہتے ہیں جس کے کرنے سے آدمی کا فرہر ہوتا ہے۔ تو اس کے متعلق بھی امام جعفر صادق کا فرمان موجود ہے:-

عن ابی جعفر عیالہ السلام قال قلت لہ ما أجزع فی غیر طریقہ الخ (فروع کافی جلد اول ص ۱۲)

یہ دریافت کرنے پر کہ جزع کیا ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ سخت جزع شرو و نناں اور بلند آواز سے چیخنے چلانے اور منہ اور سینہ پیٹنے اور پیشانی کے بال اکھاڑنے کو کہتے ہیں۔ اور جس نے نوحہ کی مجلس قائم کی اس نے صبر حمید ڈر دیا۔ اور اسلام کے راستے کے خلاف چلا۔

عویل کا معنی ہے آواز سے رونا اور ویل کا معنی ہے مصیبت پر شور و فغاں کرنا۔

(غیاث اللغات)

فرمایئے مروجہ ماتم میں جو افعال کے جلتے ہیں اور جن کو پمفلٹ میں عبادت قرار دیا گیا ہے اس کے متعلق امام جعفر صادق کا صریح فتویٰ ہے کہ ایسا کرنے والا صبر کو چھوڑنے والا اور اسلام کے خلاف چلنے والا ہے۔“

۱:- منقولہ روایت ضعیف ہے۔ اس روایت کے راوی

**جواب**

سہیل بن زیاد کے بارے میں علامہ حلیؒ نے ”کتاب الرجال“

میں تحریر کیا ہے کہ سہیل بن زیاد بالکل ضعیف اور فاسد الروایہ ہے۔

مرآة العقول جلد ۷ ص ۹۱ میں ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ حتیٰ کہ فروع

کافی میں خود اسے ضعیف بتایا گیا ہے۔ دیکھئے باب ۷۹ روایت ۷ کتاب النجائز ص ۱۸۷۔

ب:- کسی ضعیف روایت پر بحث کرنے کی اصولاً تو ضرورت نہیں رہ جاتی

مگر ہم مناسب خیال کرتے ہیں اس روایت پر مختصراً گفتگو پیش کریں۔

۱- فاضل معترض قاضی مظہر حسین صاحب نے یہ روایت غالباً اصل کتاب

سے نقل نہیں فرمائی ہے بلکہ نقل در نقل کا عمل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے اس کو

”عن ابی جعفر علیہ السلام“ سے شروع کیا ہے جبکہ فروع کافی میں ”عن ابی

عبد اللہ علیہ السلام“ ہے۔

۲- اصلی عبارت اس طرح ہے ”عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قلت

ما الجزع قال اشد الجزع الصراخ بالویل والعیل ولطم الوجہ

والصدہ جز الشعر من النواجی اقام النواحتہ فقد تروى الصبر

واخذ فی غیر طریقتہ ومن صبر واسترجع وحمدہ للہ عزوجل

فقد رضی بما صنع الله وواقع اجره على الله ومن لم يفعل ذلك جرى عليه القضاء وهو ذميد واحبط الله اجره - (ضعیف)  
 یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے میرے اس پوچھنے پر بتایا کہ ”جزع“ کیا ہے۔ فرمایا ”شدید جزع“ (جو محدود عادلہ سے باہر ہے اور ناجائز ہے) شروع و غل و چیخ و پکار کرنا، منہ پر طمانچے مارنا اور سینہ کو منہ، سر کے بال نوچنا اور نوحہ کرنا یہ صورت ترک صبر کی ہے۔ اور طریقہ غیر اختیار کرنا ہے۔ اور جس نے صبر کیا اور استرجاع کیا (انا لله وانا الیہ راجعون کہا) اور اللہ کی عزت و جلالت کی حمد کی اور مشیتِ خدا پر راضی ہوا اور اپنا اجر اللہ پر رکھا۔ اور جس نے ایسا نہ کیا حکمِ خدا تو جاری ہو کر رہتا ہے تو وہ قابلِ مذمت ٹھہرا اور اس کا اجر ختم کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہو تو اس سے صحت یہی مطلب اخذ ہو سکتا ہے کہ کسی عام مصیبت پر مقررہ حدود سے تجاوز کر کے جزع کرنے سے صبر کی بھی ہے اور ناجائز بھی۔ زمانہ جہالت میں وقتِ عزاداری لوگ شروع و شیون سے رو کر اور چیخ و پکار کر کے اللہ تعالیٰ کی شان میں نازیبا اشعار بنا کر نوحہ کیا کرتے تھے یہ مذمت اُن ہی فرسودہ رسوم کی ہے۔ لیکن عزاداری امام حسین علیہ السلام سے خدا کی عزت و جلالت اور حمد کی حفاظت برقرار رہتی ہے۔ اور ہم عندِ ادا اللہ کے خلافت کوئی لمحہ شکوہ نہیں کرتے اور ہماری عزاداری ”شدید الجزع“ کے حدود تک نہیں پہنچتی ہے۔

ج۔ ہمارے ہاں معصوم کا قول ہے کہ ہر جزع و غزع قبیح ہے۔ مگر حضرت امام حسینؑ کے لئے یہ سب کچھ جائز ہے۔ لہذا شیعہ عام عزاداری کے پرگز قابل نہیں۔ سنتِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے مصائب پر ماتم کرنا عبادت سمجھتے ہیں

اس تخصیص پر تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ماتم قرآن و حدیث سے جائز ہے۔  
 عید کہ قرآن مجید میں ہے کہ ”اقوال سوء یعنی جزع و فزع وغیرہ مظلوم کے لئے  
 جائز ہے۔ اگر ماتم بڑا بھی ہو تو بھی قرآنی اجازت ماتم حسین کے لئے موجود ہے۔  
 لہذا جب لفص قرآن موجود ہو تو پھر خلاف قرآن حدیث قابل قبول نہ ہوگی۔

**دلیل ہفتم** | ”امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا کہ مسلمان مصیبت کے وقت اپنے ران پر ہاتھ

مارے تو اس کا اجر و ثواب بڑا ہو جاتا ہے“ (فروع کافی جلد ۱ ص ۱۲۱)  
**جواب** | ۱۔ فروع کافی میں اس روایت کے آگے بھی ضعیف لکھا ہوا ہے

پھر بھی معترضی اس کو دلیل بنا کر علمی مرتبت کا ثبوت پیش  
 کر رہے ہیں۔ مراۃ العقول جلد ۱ ص ۹۲ پر اس روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔  
 ۲۔ اس حدیث کے خلاف من لا یحضرہ الفقیہ، کتاب الطہارہ  
 باب التغزیہ میں ہے کہ ”مصیبت زدہ جزع کرے یا صبر مصیبت کے وقت  
 اس کا ثواب جنت ہے۔

۳۔ مشکوٰۃ شریف میں متفق علیہ حدیث ہے کہ مسلمان کو جو مصیبت آئے  
 تکلیف پہنچے، حزن و ہم سے دو چار ہو جائے حتیٰ کہ کانٹا بھی لگ جائے خدا اس  
 کے لئے اس کی خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔

۴۔ اگر اس روایت کو مان بھی لیا جائے تو صریح مطلب ہو گا کہ ران پر  
 ہاتھ مارنے سے گناہ کوئی نہیں محض مصیبت کا اجر جاتا رہے گا۔

۵۔ رسول کریم کا ران پر ہاتھ مارنا صحیحین میں مرقوم ہے۔ پس ضعیف  
 روایت کا سہارا معترضی کے لئے تنکے سے بھی کمزور ہے۔

**دلیل ہشتم** | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی وفات کے وقت

حضرت زناطمہ کو کہ میری وفات پر منہ نہ پٹینا اور بال نہ کھولنا اور ویل عویل سے نہ چیخنا چلانا اور نوحہ کرنے والیوں کو نہ قائم کرنا۔ (فروع کافی جلد ۲ ص ۲۱۴)

۱۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ملاحظہ کریں مراۃ العقول جلد ۱ ص ۵۱۳

**جواب**

۲۔ اگر حضور نے حضرت زناطمہ کو رونے پٹینے اور نوحہ کرنے سے منع کیا ہوتا تو آپ کی وفات کے بعد سیدہ فاطمہؑ ازہارہؑ گز نوحہ و ماتم نہ کرتیں۔

۳۔ اہلسنت کی مشہور کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۱۴ میں ہے:-  
 ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بستر پر وفات پائی اور حضورؐ کے ارد گرد جو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں پس انہوں نے پیٹ کر اپنے منہ سرخ کئے ہوئے تھے۔ اگر منہ پٹینا رسول خداؐ نے منع کر دیا تھا پھر ان محذرات نے حکم رسولؐ پر کیوں عمل نہ کیا۔ ظاہر ہے کہ اس وقت آپ کی صاحبزادی سیدہ طاہرہؑ بھی ان عورتوں میں شامل تھیں۔ لہذا کم سے کم اُن کو اس وقت تو نہ ہی ماتم کرنا چاہیے تھا اور نہ ہی کرنے دینا چاہیے تھا۔“

۴۔ حضرت زناطمہؑ کے مرثیے اور نوحے کتابوں میں محفوظ ہیں جو انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے غم میں پڑھے۔

**دلیل نہم** ابن بابویہ نے بسند معتبر امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت وفات جناب سیدہ سے کہا:-

”اے فاطمہ! جب میں مرجاؤں اس وقت تو اپنے بال میری مفارقت سے نہ نوجنا اور اپنے گیسو پریشان نہ کرنا اور اوپلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ کرنے والیوں کو نہ بلانا۔“

(جلال العیون مترجم اردو حصہ اول ص ۶ مطبوعہ مکتبہ)

## جواب

۱۔ یہ روایت کافی کی اُسی روایت کا ترجمہ ہے برگزشتہ دلیل میں لکھی گئی ہے اور اسے بحوالہ مرآۃ السعول ضعیف ثابت کیا گیا ہے۔  
 ۲۔ لفظ معتبر میں ضعیف روایات بھی شامل ہیں۔ چنانچہ اس اصطلاح کے موجد بھی علامہ مجلسی ہیں۔ خود انہوں نے اپنے رسالہ رجال میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ معتبر کا لفظ ضعیف روایات کو بھی شامل ہے۔ ملاحظہ کریں۔ "بدیۃ المؤمنین" روایت الحدیث وغیرہ۔

۳۔ اگر سنیہ نے اپنی دختر کو ان امور سے منع کیا ہوتا تو ناممکن ہے کہ خباب سیدہ اُن پر اصرار فرماتیں۔ لیکن شیعوں کتابیں تو رہیں ایک طے ہے، سنی کتب سے یہ ثابت ہے کہ نبی پاکؐ نے اپنے والد کے لئے گریہ و بکا، ماتم و نوحہ خوانی فرمائی۔  
 ۴۔ مشکوٰۃ باب الکربات فصل ۱ ص ۳۳ میں ہے کہ حضورؐ کی وفات پر سیدہ نے یہ نوحہ پڑھا۔

یا ابتاہ اجاب واعیا اذا دعاہ۔ یا ابتاہ من جنت الفردوس ما واد  
 یا ابتاہ الی جبریل نناہ۔

(یہ نوحہ بخاری شریف جلد ۲ ص ۶۴ پر بھی درج ہے)

۵۔ معارج النبوة رکن ۱ باب ۱ میں ہے "فاطمہ فغان کنان آواز بر آورد کر یا ابتاہ۔ وائے بر من"۔

۶۔ معارج النبوة میں سیدہ کے وہ مرثیہ درج ہیں جو آپؐ نے حضورؐ کے انتقال پر لال پڑھے۔ ان میں ایک "شعر کا ترجمہ حاضر ہے۔

جب میرا مشوق زیادہ ہوتا ہے تو میں روتی ہوں۔ آپؐ کی قبر کی زیارت کرتی ہوں۔ نوحہ و شکوہ کرتی ہوں" الخ۔

۷۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ روایات صحیح ہیں تو ان کا مطلب محض تسلی و تشفی ہوگا۔

ان میں حلال و حرام کا پہلو نہیں نکلتا ہے۔

۸ عقلی اعتبار سے یہ روایات اس لئے مجروح ہیں کہ ایسے اذنان میں باپ یا بیٹی کے ساتھ اس طرح کی گفتگو کر کے بیٹی کے زخموں پر تیل چھڑکنے کے مترادف ہے۔ جبکہ اکثر ایسے مواقع پر لواحقین کو پُر امید رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور مایوس کن گفتگو سے اجتناب رکھنا ایسا کسی غیر سے تو آدمی ایسے باتیں کر دینا ہے مگر بیٹی کا رشتہ ایسا حساس واقعہ ہوا ہے اس سے ایسی گفتگو کرنا جلالت پر تیل ڈالنا ہر نام ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

## دلیل دہم

پس جمیع اہل بیت مسکین اور یتیمیں میری حسب مراتب

اشارہ اور سلام مجھ پر کریں جو حق اشارہ اور سلام کرنے کا ہے۔ اور آزادانہ بعد اے نالہ و نوحہ نہ پہنچائیں۔ (جلال العیون ص ۷۲)

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نالہ اور نوحہ کرنے سے کچھ ہوتا ہے۔ لیکن یار لوگوں نے اس کو عبادتِ حق کا نشان سمجھا ہوا ہے۔

یہ روایت بھی پہلی روایت سے ملتی جلتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے

## جواب

کہ گذشتہ روایت میں مخاطب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

ہیں اور اس میں جمیع اہل بیت اور ازواج سے خطاب کیا گیا ہے۔ درایتیہ روایت

بھی قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ غلات واقعہ ہے۔ اگر انحضرت نے اپنے اہل بیت اور

ازواج کو نوحہ و ماتم سے منع فرمایا ہوتا تو ناممکن تھا کہ یہ افراد اس حکم سے سترابی کرتے۔ لیکن کتب معتبرہ میں روایات کثیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی وفات حشر

آیات پر اہل بیت، ازواج اور صحابہ نے آہ و بکا کی۔ ماتم کیا اور نوحہ و ریشہ

خواری کی۔

حیدر آباد، پونٹ نمبر ۸-۵۹

معارج النبوة رکن ۱۱ باب ۱۳ ص ۲۳ میں لکھا ہے کہ ”امہات المؤمنین  
مہمہ نالہ ولفیر بارح تلک اثیر رسانیدند و طالعہ از اصحاب آواز بر کشیدند و اعلا  
و فاطمہ گفت و احدیناہ“

یعنی ازواج نبی نے نالہ و فریاد برپا کیا کہ آواز آسمان تک پہنچی اور صحابہ  
کی ایک جماعت نے وائجد کے بین کر کے نوحہ کیا اور فاطمہ ۱۱ لائے مدینہ کر کے  
فریاد کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ ام المسلمین نے فرمایا جب حضور کی روح نفیس عنصری  
سے جدائی اختیار کی تو آپ کا سر اقدس میری گود میں تھا۔ پھر میں نے سراقہ  
کو تکیہ پر رکھا اور میں اُٹھ کر عورتوں کے ساتھ ماتم کرنے لگی۔ میں اپنا منہ  
پیٹ رہی تھی۔“

(سیرۃ جلیبہ جلد ۱ ص ۲۶، سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص ۲۰۵، تاریخ  
طبری ص ۱۹، مسند احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۶ وغیرہ)

بیہقی نے روایت کیا کہ ”حضرت ابوبکر نے اپنی بیٹی عائشہ سے اُن کے  
گھر میں داخلہ کی اجازت مانگی۔ اجازت ملنے پر اندر آئے۔ رسول خدا اُفروش  
پر وفات پا چکے تھے۔ عورتیں ان کے گرد بکھریں۔ اور انہوں نے منہ چھپایا۔“

(کنز العمال فی ذکر ما یعلق من موت رسول اللہ من الباب الرابع - فی  
شمائل رسول اللہ من الکتاب الرابع من خوف الشیئ)

پس اس طرح کی متعدد صحیح روایات کتب میں موجود ہیں جن میں آنحضرت  
کی وفات پر جمیع اہل بیت، ازواج النبی اور اصحاب النبی امور عزا داری  
بجالائے۔ اگر آنحضرت نے ممانعت کر دی ہوتی تو یہ بزرگ ہرگز نافرمانی  
نہ کرتے اور نہ ہی بقول شہما اپنے رسول کو دکھ پہنچاتے۔ کیونکہ وہ ہم سے



بہتر جانتے تھے۔ کہ آنحضرتؐ کو ایذا دینا خدا کو ناراض کرنا ہے۔

اگر وہ لوگ رسوم عزاداری کا ارتکاب کر کے جنت کے نشان مانے جاسکتے ہیں تو پھر ہم غریبوں پر عتاب کس بات پر کہ ہم تو ان ہی نیک لوگوں کی پیروی کرتے ہیں۔ لہذا ہمارے خلاف عزاداری کرنے پر کسی فتوے کو صادر کرنے سے پہلے خوب غور کر لیا کریں کہ اس کی زد سے حضرات اہل بیتؑ ازواج النبیؐ اور اصحاب رسولؐ بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ اور بات بہت دُور نکل جائے گی۔

**دلیل یازدہم** | اور شیخ طوسی وغیرہ نے بسند ہائے معتبر حضرت جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا:۔

”جب کوئی مصیبت پیش آئے تو مصیبت رسولؐ خدا یاد کرو کہ ایسی مصیبت ہرگز کسی پر نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی۔“ (ایضاً جلاء العیون ص ۶۹)

تو جب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت شہادتِ حسین وغیرہ سب مصیبتوں سے بڑی ہے۔ اور ایسی مصیبت عظمیٰ پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواجِ اہلبیت کو غموگیا اور حضرت نالئمہؑ کو خصوصاً نوحہ کرنے اور منہ پیٹنے سے منع فرما دیا تو پھر سانحہ کربلا کی یاد میں بھی یہ افعال گناہ ہوں گے نہ کہ عبادت اور اس قسم کی مجالس بپا کرنے میں رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت لازم آئے گی نہ کہ اطاعت۔

**جواب** | اس روایت میں اولاً تو ایک لفظ بھی تحریم عزاداری کا مفہوم ادا نہیں کرتا ہے۔ بلکہ یہ روایت غم و اندوہ کی واضح

دعوت دیتی ہے۔

اس انسانی فطرت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ جب کبھی کسی کو دل پر چوٹ لگتی ہے یا سدِ مہ پہنچتا ہے یا کوئی مصیبت یاد آتی ہے تو اس کی آنکھیں

پُریم ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ رونا رقتِ قلب کی دلیل ہے۔ اور اسی غم کے اثر سے حالتِ شہرت میں انسان بے اختیار سر و سینہ پٹیتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے المناک واقعات بسا اوقات ذہنی توازن کھودینے کا سبب بن جاتے ہیں خصوصاً نوجوان اور بچہ لے لوگ ایسے مواقع پر اپنے حواس پر قابو نہیں رکھتے اور غلبہ جذباتِ حزن کے باعث عقل کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے حالات میں اُن سے اگر کوئی نازیبا یا غیر مہذب حرکت بھی سرزد ہو جائے تو اسے قابلِ عفو سمجھ کر دو گزر کر بیا جانا ہے۔ مگر اُمم کے دشمنوں کی دشمنی فقط رے سے بھی ہے وہ سینے پر دو ہاتھ مار لینے کو گناہ و بدعت سمجھتے ہیں لیکن اگر ان کے ہاں ایسے حالات میں کوئی تنگی تلوار تھام کر لوگوں کو ترغیب کرنے کا ارادہ بھی کرے تو قابلِ پریش نہیں بلکہ والہانہ عشق ہے۔

بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصیبت سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی۔ جب بھی اس مصیبتِ عظیم کو دروِ آشنا کوئی محب رسولؐ یاد کرے گا تو اس کے دل پر یقیناً چوٹ پڑے گی اور لازماً ماتم کناں ہوگا آلِ محمدؐ نے ہر مقام پر سب سے پہلے آپؐ کو یاد کیا اور آج تک اُن کے پیروکار اسی عمل پر کار بند ہیں کہ اپنی مجلس کا آغاز ذکرِ رسولؐ سے کرتے ہیں اور مسلسل کرتے رہیں گے۔ ہم نے گزشتہ دلائل کے جواب میں عرض کیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے ازواج و اہلبیت کو عموماً اور بنی پاکؓ کو خصوصاً عزاداری سے ہرگز نہیں روکا ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے وفاتِ نبویؐ پر فرمایا کہ یا رسول اللہؐ ہر بات پر صبر جمیل ہے مگر آپؐ کی وفات کے پرالم سائے پر کیلئے نہیں۔ اور ہر جزعِ قبیح ہے مگر (آپ کے غم میں) نہیں۔

”ان الصبر بحسبیل الا علیک وان الجزع لقیح الا علیک۔“

(نہج البلاغہ مطبوعہ سرسبز ۲۰ بحوالہ ماتم اور صحابہ ص ۳۲)

آئے تو فرمایا یا رسول اللہ جزع کرنا آپ پر قبیح نہیں اور صبر کرنا آپ پر اچھا نہیں  
(تذکرۃ الخواص الامہ سبط ابن جوزی ص ۷۷)

الغرض اس مقام پر اتنی گزارش کر دینا کافی ہے کہ سانہ کربلا کی یاد میں  
مجالس و ماتم کا اہتمام کرنا مخالفت رسولؐ نہیں بلکہ سنت رسولؐ ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ  
نے خود اپنی حیات طیبہ میں امام حسین علیہ السلام کی ظاہری زندگی میں عزاداری کر کے  
اس کو سنت بنایا جیسا کہ حضرت رابن عباسؓ اور ام المومنین بی بی ام سلمہؓ کا  
روز عاشور حضور کو خواب میں حالت عزاداری میں دیکھنا سنی کتابوں میں مرقوم  
ہے۔ ملاحظہ فرمائیے میری کتاب ”چودہ مسئلے“

پس پیش کردہ روایت عزاداری کے ممنوع ہونے کی ہرگز دلیل نہیں ہے البتہ  
اس سے ثابت ہے کہ ہر مصیبت میں مصیبت رسولؐ کو بڑی مصیبت سمجھو۔

## دلیل دوازدهم :- امام حسینؑ کی آخری وصیت

جناب ید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کربلا معلیٰ میں اپنی ہمیشہ  
حضرت زینب علیہا السلام کو فرمایا کہ :-

”اے بہن! جو میرا حق تم پر ہے اسی کی قسم دے کہ کہتا ہوں کہ :-  
”میری مصیبت مفارقت پر صبر کرو۔ پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ  
نہ پیٹنا اور اپنے بال نہ نوچنا اور گریباں چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہ زہراؑ کی بیٹی ہو۔  
جیسا انہوں نے پیغمبر خداؐ کی مصیبت میں صبر فرمایا تھا۔ تم بھی میری مصیبت  
میں صبر کرنا۔“

(جلال العیون مترجم باب قضایائے کربلا ص ۳۸۲)

یہ روایت احاد میں سے ہے۔ اور اس کا مدرک بھی جلال العیون  
میں نہیں لکھا گیا ہے۔ صفحہ ۱ پر خود مولف جلال العیون نے

**جواب**



اعتراض کیا ہے کہ اس کتاب میں غیر معتبر روایات بھی ہیں۔ اس کے علاوہ اس روایت کے سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کلمات تسلی کی خاطر کہے گئے۔ میں نے اس روایت پر اپنی کتاب "شیعہ مذہب حق ہے" میں بحث کر دی ہے جو قاضی صاحب ہی کے جواب میں ہے۔ چنانچہ اس روایت ہی میں ان جملوں کے بعد لکھا ہے: "بس اہل بیت عصمت رافی الجملہ تسلی نمود و تہیہ سفر آخرت را راست کرد۔" یعنی امام نے اپنے اہل بیت کو فی الجملہ تسلی دی اور سفر آخرت کی تیاری کی۔ اگر امور عزاداری شرعی اعتبار سے ممنوع ہوتے تو یہ امر محال تھا کہ عذرات اہل بیت ان کا ارتکاب فرمایں۔ چنانچہ جلاء العیون ہی میں ایسی روایات موجود ہیں کہ بعد از شہادت حضرت زینب کبریٰ اور جناب ام کلثومؑ نے ماتم و نوحہ خوانی کی۔ مثلاً لکھا ہے کہ شہادت کے بعد جب ذوالجناح خیموں میں آیا تو فریاد بلند ہوئی۔ ہائے حسین حضرت امام کی ہمیشہ جناب ام کلثومؑ نے سر کو پٹیا اور رندہ کر کے و امحمد کے بین کئے۔ (جلاء العیون ص ۷۱) اسی طرح لکھا ہے کہ جب سیدہ زینبؑ خاتون کی نگاہ امام مظلومؑ کے سر مبارک پر پڑی تو بی بی نے اپنا سر ہل پر مارا کہ خون زمین پر ٹپکنے لگا۔ اور آپ نے نالہ و فریاد کیا۔ (جلاء العیون ص ۷۲) نیز تحریر ہے کہ دربارینہ میں جب حضرت ثانی زہراؑ کی نظر سر امامؑ پر اٹھی تو بے نقاب ہوئیں۔ گریبان چاک کیا۔ ایسے غمناک لہجے میں فریاد کی کہ دل ٹکڑے ٹکڑے ہوئے اور ہائے حسین ہائے حسین کے بین کئے۔ لیکن یہ شیعہ روایات ہیں۔ اب سنی روایات بھیجئے مقتل ابی مخنف سے عبارت لیں گے تو آپ بلاوجہ شیعہ کہہ دیں گے۔ ینابیع المودة کا درجہ آپ کو بلند نظر نہ آئے گا۔ لہذا ہم آپ کے چہیتے امام علامہ ابن کثیر دمشقی کو بطور شہادت پیش کرتے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ جب میدان کربلا میں دشمنوں نے خیمہ ہائے سادات پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو امام عالی مقام کے پاس سیدہ زینب سلام اللہ علیہا تشریف لائیں اور دریافت کیا کہ ہمارے خیام کے باہر

یہ شور کیا ہے؟ امام نے فرمایا میں نے اپنے نانا رسول اللہ کو ابھی ابھی خواب میں دیکھا ہے اور آپ مجھ سے فرما رہے تھے کہ تم کل تک میرے پاس پہنچنے والے ہو۔ یہ سنتے ہی بی بی زینبؓ نے اپنا منہ پیٹ لیا اور واویلا کیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ششم ص ۶۷ مطبوعہ بیروت)

اسی کتاب میں آگے لکھا ہے کہ جب بی بی ام المصائب صلوٰۃ اللہ علیہا نے اپنے برادر گرامی قدر سے وہ اشعار سماعت فرمائے جن میں آنجنابؐ کی شہادت کا اشارہ تھا تو حضرت زینبؓ کبریٰ نے منہ پیٹ لیا۔ گریبان چاک کیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ (البدایہ والنہایہ ص ۶۷ جلد ششم مطبوعہ بیروت)

اب سوال یہ ہے کہ بی بی صاحبہ امام پاک کی موجودگی میں دو دفعہ یہ امور بحال تھے اور امامؐ کو کئے کی زحمت گوارہ نہیں فرماتے ہیں۔ کیا اس بات کا بین ثبوت نہیں ہے کہ شرعاً ان میں کوئی قباحت نہ تھی۔

اسی طرح ابن کثیرؒ جیسے متعصب مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”قرۃ بن قیس سے مروی ہے کہ جب مستورات مقتل گاہ سے گزریں تو پھوٹ پھوٹ کر گریہ کیا اور اپنے منہ پیٹیں۔“

(البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۹۲ تاریخ طبری جلد ۷ ص ۳ تاریخ کامل جلد ۷ ص ۷)

ابن کثیرؒ جیسے کٹر سنی عالم اور جھگڑا الو مورخ کا امام مظلوم کی مظلومیت پر سیدہ زینبؓ کا ماتم تسلیم کر لینا آپ کی دلیل کے مروود ہونے کا وزنی ثبوت ہے۔ واضح ہو کہ اگر یہ کہا جائے کہ پہلی دو عبارتوں میں قبل از وصیت عزاداری کا ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ اولاً اُن ممنوعہ افعال سے امامؐ پر لوگوں کو لازم تھا دوم یہ کہ آخری اقتباس میں جمیع محذرات کا گریہ و ماتم بیان ہوا ہے جس میں سیدہ زینبؓ کا شمول خود بخود پایا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ کتب سنیہ اور شیعہ دونوں میں وہ نوحے

اور رنجیے منضبط ہیں جو شہادتِ امام حسین کے بعد خواتینِ اہلبیت نے پڑھے۔  
سیدہ اُم کلثوم سلام اللہ علیہا اور حضرت بی بی زینب صلوٰۃ اللہ علیہا کے نوحہ  
جات کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ عزاداری ممنوع نہیں ہے اور منقولہ وصیت  
بطور تسلی و ترجم تھی۔

**دلیل سیزدہم** ”رونا غم کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور خوشی سے بھی۔  
خوف سے بھی اور محبت سے بھی۔ یہ انسان کے طبعی

تاثرات ہیں۔ لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے غم باقی رکھنے سے منع فرمادیا ہے۔  
جنگِ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک شہید ہوئے۔  
اور ستر اصحاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پرچم نبوی کے سایہ  
میں کفار کے مقابلہ میں شہید ہوئے۔ جس میں حضور کے گئے چچا حضرت حمزہ  
بھی تھے اور ان شہداء کا مسلمانوں کے دلوں میں طبعی طور پر صدمہ بھی تھا۔  
لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔  
”لَا تَحْزَنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَلَا تَحْزَنُوا“ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔  
”اور نہ تم مست ہو اور نہ غم کھاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے“  
(پہلی سورہ آل عمران رکوع ۱۴)

اس آیت کی پیشین گوئی کے تحت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیض و  
کسری جیسی کفار کی عظیم سلطنتوں پر غالب آ گئے۔ ان غالب آنے والی  
جماعت صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین،  
اور شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ کو خلافتِ راشدہ کی صورت میں یہ اسلامی غلبہ  
عطا فرمایا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

**جواب** شکر ہوا کہ معترض نے تسلیم کر لیا کہ رونا ”طبعی تاثرات“ میں سے  
ہے۔ یعنی فطری امر ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کا کوئی

حکم فطرت کے خلاف نہیں۔ کسی طبعی تاثر کو روکنا غیر فطری کوشش ہوتی ہے۔  
 لہذا خدا پر یہ الزام لگانا کہ اس نے غم کو باقی نہ رکھنے یا رونے سے منع کیا ہے  
 ایک بھونڈی جبارت ہے۔ جب آپ خود ہی مان رہے ہیں کہ کبھی غمگین ہوتا ہے تو قہقہے  
 کبھی خوشی کے آنسو نکل رہے ہیں کسی وقت خوف کے مارے محزون ہوتا ہے کبھی  
 محبت میں اشک افشانی کرتا ہے یا مصیبت کے وقت گریاں ہوتا ہے تو اس کا  
 کھلا مطلب یہ ہے کہ وہ ولادت سے وفات تک روتا ہے۔ اس لئے کہ یہ تقاضائے  
 فطرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے رونے کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:-  
 ”کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور نہتے ہو اور روتے نہیں؟ اور تم  
 کھیل کود میں لگے ہوئے ہو۔“ (النجم ۲۱)

رونے کی تاکید تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ مگر کتاب الہی میں کسی جگہ  
 انسان کو حالت غم میں رونے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ خوف کی حالت میں حزن و  
 ملال کے اظہار کرنے پر پابندی ضرور ہے۔ جنگِ احد کی جو مثال آپ نے وضع  
 کی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ آپ کے غم  
 نامدار سمیت ستر اصحاب باؤنا کو جامِ شہادت نوش فرمانے کی سعادت نصیب  
 ہوئی اور بالآخر آپ کو مجبور ہو کر یہ اقرار کرنا ہی پڑا کہ شہداء کا مسلمانوں (اصحاب  
 رسول) کے دلوں میں طبعی طور پر صدمہ تھا۔ حالانکہ بقول شما امتحان پاس  
 کرنے پر مسلمانوں کو صدمہ کل بجائے اظہارِ مسرت کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھنا چاہیے  
 تھی اور خوشی میں جھوم جھوم کر واہ واہ کے نعرے بلند کرنے میں کوئی دقیقہ  
 فروگذاشت نہ کرنا چاہیے تھا۔ مگر افسوس زمانہ رسولؐ میں ایسا نہ ہوا۔ مسلمانوں کے  
 دلوں میں صدمہ قائم رہا۔

غم سے باز رکھنے کی جو دلیل آپؐ نے ساخت فرمائی ہے۔ اُسے کوئی بھی باہوش  
 شخص قبول کرنے کو تیار نہیں کیونکہ ”ولا تھنوا“ سے مراد کاہل نہ ہو، صحت

نہ ہو کا مطلب حقیقی یہ ہے کہ "ہمت نہ مارو" اور یہی ترجمہ اشرف علی صاحب تھانوی نے کیا۔ سیاق و سباق کے مطابق بات یہی ہے کہ اُحد کی شکست سے مسلمان دل برداشتہ ہو گئے تھے اور جی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی حوصلہ افزائی کے لئے فرمایا ہے کہ مکرہت کسو، ملول نہ ہو اگر تم مومن ہو تو تمہیں فتح حاصل ہوگی۔ اس آیت میں عزاداری کا کیا تذکرہ ہے جو آپ نے اس کو اپنے دلائل میں شمار کیا ہے؟ اگر عزاداری کو حرام ہی قرار دینا خدا کی منشا میں ہوتا تو یہ بڑا صحیح موقع تھا کہ اس کی حرمت کا حکم نازل کر دیتا کیونکہ اس وقت پورا مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ رسول خداؐ نے بڑی حسرت و آرزو سے ماتم حرمہ کی فرمائش کی تھی اور انصاری عورتوں نے پورے خلوص کے ساتھ حکم کی تعمیل کر کے دُعاے خیر کا شرف پایا تھا۔ مگر ایسی کوئی آیت نہ اُتری اور زیر بحث آیت بھی حقیقت میں اظہار تعزیت کا ثبوت ہے کہ خدا نے مسلمانوں کی وقت مصیبت پر ملولین کی ڈھارس بندھائی۔ حوصلہ افزائی فرمائی۔ تسلی دی۔ افسوس ہے کہ اور باتوں میں اہل مدینہ کے عمل کو حجت کہہ دیا جاتا ہے مگر عزاداری اور ماتم کے عمل کو اس حصہ سے محروم رکھا جاتا ہے۔

باقی رہ گئی غلبہ والی بات تو اس کا جواب باصواب تفصیلاً ہم "شیعہ مذہب حق ہے" میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ وعدہ جنتور کی حیات میں پورا ہو گیا اور محض ارضی فتوحات کو کمال ایمان کی دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا نہ ہی خدا یا رسولؐ نے فتوحات کو معیار ایمان میں داخل کیا ہے بلکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خدا شخص ناجر سے اپنے دین کو تقویت دے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حدیث رسولؐ ہے۔ بہر حال ان باتوں کا موضوع سخن سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لہذا ہم تردید دلیل کے بعد اگلی دلیل لکھتے ہیں۔



حضرت رحوط پیغمبر علیہ السلام کو ارشاد فرمایا  
**دلیل چہار دہم** لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ (پارہ ۲۰ سورۃ العنکبوت  
 (۲۴)

”نہ خوف نہ غم نہ محبت“

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح خوف کو دل سے نکالنا مطلوب ہے اسی  
 طرح غم کو دل سے نکالنا بھی پسندیدہ ہے۔“

آیت کے سیاق و سباق کو ترک کر کے اپنا مطلب نکالنے اور  
**جواب** دوسروں کے عقائد کو ہدف طعن بنانے کے لئے خدا کے کلام میں

معنوی تحریف کر دینا علمی خیانت اور شرعی بددیانتی نہیں ہے ؟ قاضی صاحب  
 نے آیت کا ایک چھوٹا ٹکڑا لے کر ”حضرت رحوط پیغمبر علیہ السلام کو ارشاد  
 فرمایا“ لکھ کر جس دھوکہ دہی کا مظاہرہ کیا اس کے انجام کو ہم خدا کے لئے  
 جھوٹے ہیں۔ مگر ہم اس فریب سے پردہ چاک کر کے اپنا دینی فریضہ پورا  
 کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ اس قرآنی عبادت کا عزاداری کے ساتھ  
 رتی برابر کبھی واسطہ نہیں ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت رحوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو خلاف فطرت فعل  
 سے باز رکھنے کی پوری پوری کوشش فرمائی مگر اس بد بخت قوم نے اپنے نبی کی نصیحت  
 پر کان نہ بھرے اور اس مذموم فعل میں دن بدن ترقی کرتے گئے۔ حضرت رحوط  
 حجت تمام کرنے کے بعد بارگاہِ خدا میں ملتجی ہوئے اور اس بدکار قوم کے لئے نازل  
 عذاب کی سفارش کر دی۔ خدا نے اس کو منظور فرماتے ہوئے حسین و جمیل شکل میں اپنے  
 فرشتے بھیجے جو حضرت رحوط کے پاس مہمان ہوئے۔ اُن فرشتوں کے حسن و جمال کا  
 نظارہ کر کے اس بدکردار قوم کے دل بے ایمان میں حرص بے جا پیدا ہوئی اور  
 فرشتوں سے نامقبول حرکت کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔ ان ناپاک عزائم کو بھانپتے

ہوئے حضرت نوح علیہ السلام کو پریشانی و تشویش ہوئی۔ چنانچہ جب فرشتوں نے نبی کی گھبراہٹ اور خوفزدگی کو دیکھا تو بطور تسلی فرشتوں نے کہا لا تَحْزَنْ وَلَا تَحْزَنْ کہ اے نبی! برحق آپ خوفزدہ و محزون نہ ہوں۔ یہ کلمات فرشتوں کی زبان سے قرآن میں محفوظ ہیں جسے قاضی جی نے حکم خدا ظاہر کرتے ہوئے گول مول عبارت سے لکھ کر عزا داری کے ممنوع ہونے کا تاثر دینے کی جھوٹائی کوشش کی ہے۔

یہ سورہ عنکبوت کی آیت ۳۲ کے درمیانی الفاظ ہیں۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے تفسیر حقانی کے حوالے سے اس آیت کا تفسیری حاشیہ لکھا ہے جو ہماری تائید میں ہے۔

اگر ایسے دلائل بنانے میں علمی کمال ہے تو پھر اس عبارت سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے "لا تَحْزَنْ" نہ خوف کر لہذا خدا سے خوف کرنا بھی چھوڑ دیجئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم ملا  
فَاِذَا خِطَبْتُ عَلَيْهٖ فَلْيَقِيْهِ فِیْ اَنْثَمٰ وَلَا تَحْزَنْ  
وَلَا تَحْزَنْ فِیْ اَنْثَمٰ اَدُوْكَ اِلَيْكَ وَجَاعِلُوْهُ مِنْ اَلْمُرْسَلِیْنَ۔

(پارہ ۲۰۔ سورۃ القصص ع۔ ۱)

”پس جب تجھ کو اپنے بچے کا ڈر ہو تو اس کو دریا میں ڈال دے اور نہ خوف کر اور نہ غم کھا۔ ہم پھر دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو پیغمبروں سے“ یعنی چونکہ یہ تیرا بچہ پیغمبر ہونے والا ہے اس لئے کسی قسم کا غم کھانا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کے جوانوں کی سرداری ملنے والی ہے۔ اس لئے ان کے بارے میں کسی قسم کا غم کرنا ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔“

ہمیں کم از کم ایک نا تجربہ کار طالب علم مہرنے کی حیثیت سے قاضی مظہر بن صاحب جیسے مہندہ مشق غاندانی مناظر سے یہ توقع بالکل نہیں تھی کہ

**جواب**

وہ معاملات دین میں بھی سیاسی سھکنڈوں کا استعمال کرتے ہیں اور پُر فریب دلائل وضع کر کے اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے نہ ہی تفسیر بارائے سے اجتناب کرتے ہیں اور نہ ہی تحریف فی القرآن کی پرواہ کرتے ہیں چنانچہ نالیقوں سے وہ اپنے مدعا کو پیش کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اہل علم حلقہ میں یقیناً وہ قابل اعتراض ہے۔ لیکن صفائی بیان کرنا بھی ہم پر ضروری ہے۔ لہذا تحریر کرتے ہیں کہ مجبوری ہے۔

قاضی صاحب نے اس دلیل میں پورا قصہ بیان کرنے سے گریز کیا ہے اور صرف غم نہ کرنے کو ثابت کرنے کے لئے بلا لحاظ سیاق و سباق آیت نقل کر دی ہے۔ اور ترجمہ کر کے کہا ہے کہ موسیٰؑ پیغمبر ہونے والے ہیں لہذا ان کی والدہ کو غم نہ کھانے چاہیے۔ امام حسین علیہ السلام کے ماتم کی تحریم کے لئے یہ دلیل کتنی کمزور ہے اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ چنانچہ پہلے واقعہ سنئے کہ سورہ قصص میں ہے کہ جب فرعون قبل از ولادت موسیٰؑ بہت مشکبر ہو گیا تو اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان گروہوں میں سے ایک گروہ بنی اسرائیل کو اس طرح کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو قتل کروا دیتا تھا اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ اس ناحق قتل انبیا بنی اسرائیل کی وجہ بنی اسرائیل کی وہ پیش گوئی تھی جو اس کو بتائی گئی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس کی سلطنت کی تباہی اور اس کی ہلاکت کا سبب ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ علیہ السلام کی ولادت باسعادت وقوع پذیر ہوئی تو آپ کی والدہ کو ڈر و خوف ہوا کہ اگر اس پیدائش کا علم فرعون کو ہو گیا تو وہ اس بچے کو بھی تہ تیغ کر دے گا۔ اس وقت اللہ نے بنی صاحب پر وحی کی کہ تم اس کو اپنا دودھ پلا دو۔ پھر جب فرعون کے ظلم کا خدشہ ہو تو بلا خوف و خطر اس بچے کو دریا کے سپرد کر دینا اور کسی قسم کا فکر و غم نہ کرنا۔ اس مفارقت پر کیونکہ

میں ضرور تمہارے بچے کو تمہارے پاس واپس پہنچا دوں گا۔ اور اس کو اپنا رسول بناؤں گا۔

اس قرآنی قصہ میں مادرِ موسیٰ کو ان کے فرزند کی عافیت و سلامتی کی ضمانت دی گئی ہے تاکہ جو غم ماں کو فطری طور پر اپنے بچے کی جدائی یا ذبحائی کا ہے وہ بالکل رفع ہو جائے۔ اب جب خدا نے بذریعہ وحی والدہ محترمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بشارت دیدی کہ اُن کے فرزند محفوظ از گزند رہیں گے تو بی بی صاحبہ کا رنج و خوف دور ہو گیا۔ لہذا کسی ڈر یا غم کا جو انہی نہ رہا۔ لیکن امام حسین علیہ السلام کے لئے ایسی بشارت یا ایسا حکم کہاں ہے؟ آپ کے لئے خبر بھی شہادت کی ہوئی اور وقوع بھی شہادت ہی ہوئی۔ چنانچہ آپ کی زندگی میں آپ کے نانا، والدہ، والد، بھائی اور دیگر قرآنے بھی گریہ زاری کی اور بعد از شہادت تو کائنات کی ہر چیز نے سوگ منایا۔ یہ دلیل اس صورت میں صحیح ہوتی اگر موسیٰ علیہ السلام شہید ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ اُن کی والدہ کو اُن کے غم منانے سے منع کرتا۔ تب آپ کہہ سکتے تھے اے ماتی لوگو! موسیٰ اللہ کے رسول تھے۔ ان کی شہادت پر خدا نے ان کی ماں کو غم منانے سے روکا ہے۔ لہذا تم بھی امام حسین کا غم نہ منایا کرو۔

**دلیل شانِ زہم** **أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ**۔

”خبردار اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

”عبادت تو اولیاء اللہ کی روحانی غذا ہوتی ہے۔ اگر غم و ماتم بھی عبادت ہو تو اللہ تعالیٰ ان کی شان میں ولاہم یحزنون نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ اولیاء وہ ہیں جو غم کی یاد گاریں منانے والے ہیں۔“

**جواب** اس آیت کے بعد یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے خوفزدہ رہے۔ بشارت ہے ان لوگوں کے لئے دنیا و آخرت

میں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اولیاء اللہ کے لئے بشارت ہے قیامت کیدن اُن پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے چنانچہ قیامت کے روز جنت میں تو کسی کو نہ ہی خوف ہوگا نہ غم اس بشارت کا اس دنیا سے کیا تعلق ہے اور اس آیت میں حضرت امام حسین کی یادگار منانے کی کہاں ممانعت ہے ؟

**دلیل ہفتم** حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غار ثور میں دشمنوں کی وجہ سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غم لاحق ہوا تو رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یار غار سے فرمایا :-

لا تحزن ان الله معنا نه غم کرے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

(سورہ توبہ)

میری کتاب ”یار رسولؐ اور غار ثور“ ملاحظہ فرمائیے۔ میری

سمجھ سے یہ باہر ہے حضورؐ کا حضرت ابوبکرؓ کو لا تحزن“

**جواب**

کہہ دینا امام حسینؑ کے ماتم کو کولونے کی دلیل کیسے بن گیا۔ اگر اس امتناع سے مراد عزاداری سے رُکنا ہے تو پھر بتائیے کہ حضرت ابوبکرؓ نے وفاتِ رسولؐ پر غم کیوں منایا۔ حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ وفاتِ رسولؐ سے حضرت ابوبکرؓ کی مکر ٹوٹ گئی۔ لکھا ہے کہ ”شتابی کی حضرت ابوبکرؓ نے اور وہ کہتے جاتے تھے ہائے افسوس میری مکر ٹوٹ گئی۔“ (مسند امام اعظم ص ۱۷۹)

نیز تحریر ہے کہ ”جب نبی کریمؐ نے وفات پائی تو لوگ حیرت زدہ ہو گئے۔ اور اُن کے حالات مختلف تھے حضرت عمرؓ اس گروہ میں سے تھے جو نبیؐ کی مصیبت میں دیوانہ ہو گیا تھا اور عثمانؓ گونگے ہو گئے اور ابوبکرؓ کی دونوں آنکھیں برس رہی تھیں۔“ (نزہۃ الناظرین ص ۲۹)

اب آپ حضرات خود فیصلہ فرمائیں کہ حضرت ابو بکر نے غم منانا چھوڑ دیا  
تھایا نہیں۔ اسی فیصلہ میں دلیل کی تردید موجود ہے۔

**دلیل ہشتم** اللہ تعالیٰ نے امتحانی مصائب میں مبتلا کرنے کی حکمت  
بتلاتے ہوئے مومنوں کو تسلی دی ہے:

لَكَيْلًا نَّاعْسُوْا عَلٰی مَا فَاٰتٰكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰكُمْ  
(سورۃ الحديد ع ۱۹)

”تنا کہ تم نہ غم کھاؤ اور پر اس چیز کے جو تم سے فوت ہو گئی ہے اور نہ اتر آؤ  
اور پر اس کے جو اللہ نے تمہیں دی ہے۔“

یعنی خوشی اور نعمت پر فخر نہیں کرنا چاہیئے اور تکلیف اور مصیبت پر غم نہیں  
کھانا چاہیئے۔

ہم نے بھی جواب میں ماتم مروجہ کے حرام ہونے پر ۱۸ دلائل پیش کر دیئے ہیں  
جن میں آیات قرآنی، احادیث نبوی، ارشادات ائمہ اہل بیت امام محمد باقر  
امام جعفر صادق سے مراجعت ثابت ہوتا ہے کہ آج کل شہادت کربلا کے سلسلہ میں  
حسین ماتم کا رواج عام ہو گیا ہے وہ شریعت محمدیہ کے اصول پر قطعاً حرام  
اور قبیح ہے۔ اس کا اس اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے جس کے اصول  
کی سر بلندی کے لئے امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے میدان کربلا  
میں اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانیں قربان کر دی تھیں۔“

(خادم اہل سنت والجماعت الاحقر مظہر حسین عفر لہ مدنی جامع مسجد چکوال  
ضلع جہلم)

**جواب** یہ دلیل ممانعت عزاداری کے لئے اس لئے قابل قبول نہیں ہے کہ  
اس سے مراد نقصان پر کھپتاوے سے امتناع ہے۔ تکلیف اور  
مصیبت سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ عربی دان حضرات اس سے واقف ہیں کہ

زبان عرب میں "ما" کا استعمال غیر ذوی العقول کے لئے کیا جاتا ہے جبکہ ذوی العقول کے لئے "من" مستعمل ہوتا ہے۔ لہذا اس آیہ مبارکہ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دنیوی مال و متاع وغیرہ کے حصول پر اتنا زور نہیں چاہیئے اور اگر کچھ اشیاء دولت کا تھکے سے چلی جائے ضائع ہو جائے یا کوئی نقصان و خسارہ ہو جائے تو اس پر حزن و ملال نہ کرنا چاہیئے۔ اس آیت کا عزاداری اور ماتم سے نہ ہی کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ربط۔ لہذا دلیل کو دلیل کہنا بے دلیل ہے۔

الغرض ملک غلام عباس صاحب نے "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں جو اٹھارہ دلائل مرتب فرمائے آپ نے اُن کی تردید کرنے میں ابیڑی چوٹی کا زور صرف فرمایا۔ لیکن حق کو دباننا باطل کے بس میں نہیں ہے۔ اسے جتنا دبا یا بجائے گا اتنا ہی ابھرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے مجبوراً اس حقیقت کو ان الفاظ میں تسلیم کیا کہ "ماتم کارواج عام ہو گیا ہے"۔ آپ کے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" کا جواب دینا ضروری نہیں تھا۔ اس لئے کہ اس کا مدلل جواب آپ ہی کے شہر سے آغا سید واصف حسین صاحب نقوی دے چکے تھے۔ احقر نے بھی ان ہی جوابات کو بیشتر دہرایا ہے کیونکہ وہ لا جواب ہیں۔ آپ کی کتاب "سعدت الدارين" تاہم تحریر نظر سے گذرے کسی ورنہ اس کا بھی اس کے ساتھ پوسٹ مارٹم ہو جاتا۔ بہر حال ماتم کے حرام و ناجائز ہونے کے جو اٹھارہ دلائل آپ نے خود ساختہ کئے ہیں اور ان کے جواز میں قرآن مجید کی کچھ آیات، چند احادیث نبوی اور آئمہ اہلبار کے تھوڑے سے ارشادات کو توڑ مروڑ کر جس طرح آپ نے ان کو اپنے عقائد کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اس کی حقیقت افشا کر دی گئی ہے۔ تاکہ ایسے افراد جنہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ آپ کے ناجائز دلائل کا جواب کوئی شیعہ تاقیامت نہیں دے سکتا، ان کی آنکھیں کھل جائیں۔

آپ کے یہ ٹکسالی فتوے کہ "ماتم کارواج عام ہو گیا ہے" وہ شریعت محمدیہ

کے اصول پر قطعاً حرام اور قبیح ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، عزاداری سید الشہداء پر قطعی طور پر اثر انداز نہیں ہو سکتی کیونکہ ہر منصف مزاج اسے محسوس کرے گا کہ اسلام کی بقا اور سر بلندی کو ماتم نے زینت بخشی ہے جیسے معلوم نے میدان کر بلا میں کشت اسلام کی آبیاری اپنے خوں سے کر کے اسلامی اصولوں کو سرفراز کر دیا ہے۔ سرتوڑ کو ششوں کا ماتم رکوانے میں سرپیٹ کر ناکام ہو جانا اس بات کی بجائے خود دلیل ہے کہ ماتم حسین منشاء خداوندی کے عین مطابق ہے۔ لہذا ہم تو مخلصانہ طور پر یہی گزارش کریں گے کہ مظلوم کے ماتم کو بند کرانے کی کوشش ترک کر دیں۔ کیونکہ یہ کوشش حقیقت میں ظالم کے ظلم میں اس کی حمایت ہے۔ اور خدا ظلم کی طرف داری ہرگز پسند نہیں کرتا ہے۔ آپ سینماؤں میں دکھائی جائے والی بے راہ روی، ٹیلی ویژن کے اخلاق سوز پروگرام، شادی بیاہ کے شادیانے، کھیل تماشوں کا شور و غل، بیڈ باجے و رنگ و رنگ ہر چیز کو برداشت کرتے ہیں مگر ہماری سمجھ میں یہ آج تک نہ آسکا کہ ”ماتم حسین“ سے آپ کو کیا پرغاش ہے۔ راہ خدا بادلِ خواستہ ہی سہی ”ذکر حسین“ کی مخالفت کر کے جذباتِ اخوت و محبت کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ ورنہ علانیہ بتائیں کہ ہمارا ماتم آپ کے لئے باعثِ پریشانی کیوں ہے؟ سبب ہمارا کیا تھا ہمارے منہ ہمارا، زبان ہماری۔ تکلیف ہمیں کھٹکے ہمیں۔ نہ ہی ہم آپ کو زبردستی دعوتِ ماتم بھی دیتے ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ پھر بلا وجہ ہمارے مذہبی و شہری حقوق کو پامال کرنے میں آپ کو کیا حاصل کیا وصول ہے؟

اس التماس کے پند اب ہم عزاداری کے مستحب و جائز ہونے پر ایک سوادِ کمال پیش خدمت کرتے ہیں اور قارئین کو دعوتِ غور دیتے ہیں کہ اپنی صوابدید کے مطابق نتائج اخذ فرما کر حرام و حلال کا فیصلہ کر لیں۔



# ایک سو اثباتِ عزاداری

مصائب کے ادات میں اظہارِ حزن و ملال اور اُن مصیبتوں کی یادگار قائم کرنا اور اسے آئندہ نسلوں میں باقی رکھنا اقوامِ عالم کا بہت قدیم دستور ہے۔ بیلک اور پرائیویٹ Mourning (عام عزاداری) کا ہر ملک و قوم طریقہ جاری ہے۔ ہم بطور تمہید چند امور کو مفصل طور پر بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مراسم عزاداری صرف شیعوں تک محدود نہیں بلکہ خطہ ارض میں مقیم تمام اقوام و مذاہب اپنے اپنے تمدن، ملکی اور قومی ثقافت کے مطابق اپنے اپنے بزرگوں اور سرداروں کی یادگاریں قائم کرتے ہیں۔ اہل مغرب جو تہذیب و تمدن کی اعلیٰ ترقیوں اور سائنس و فلسفہ کی بالائی منزلوں پر فائز ہونے کے دعویدار ہیں وہ بھی اس فطری انہماک میں پابند رسوم و نظائر آتے ہیں۔ چنانچہ چند مثالیں حسب ذیل ہیں:۔

**حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کا گھر** ہالینڈ کے مشہور اور قدیم گرجے میں

حضرت عیسیٰ کے گدھے سے منسوب ایک گھر کو محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس کی زیارت آج تک بڑی عقیدت و احترام سے کی جاتی ہے۔

ہالینڈ کے ایک اور معبد میں ابنِ مریم سے منسوب عضو کا کوئی خاص جزو بڑی احتیاط سے محفوظ کیا گیا ہے۔ لاکھوں مسیحی عقیدت مند پورے خلوص نیت سے ہر سال اس کی زیارت بجالاتے ہیں۔

**شیبہ میں اور جلوسِ سلیم کی مشہور اور قدیم قوم اپنے مراسم مذہبی** میل سکینہ

حیدرآباد لطیف آباد، پونٹ نمبر ۸-۵۱

کو مختلف شکل و صورت میں بجا لانے کے لئے یورپ کی دوسری مسیحی برادری میں خصوصاً ممتاز ہے۔ اُن کے سالانہ مراسم کے مختلف جلوسوں میں ایک عظیم الشان جلوس ولادت عیسیٰ کے متعلق واقعہ نذر تولد کا نکالا جاتا ہے۔ جس میں حضرت مریم کی شبیہ - مسیح ابن مریم کو گود میں لئے ہوئے ان کے پہلو میں یوسف نجار اپنے ہاتھوں میں نذر کی بیت المقدس کے لئے دو کبوتر کے بچے لئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تصویر مذہبی ولادت کے بعد حضرت مریم کے اول داخلہ بیت المقدس کی یادگار ہے۔ نبی اسرائیل میں اُس وقت یہ رواج تھا کہ پیدائش کے بعد ہر بچے کو پہلے بیت المقدس لاتے تھے، تو حسب دستور صدقہ کے لئے کبوتر کے دو بچے بھی ہمراہ لاکر چڑھائے جاتے تھے۔ (اپالوجی فرام محمد از ڈیون پورٹ - پیوپل آف نیشن ٹی - اے سنشین جلد ۱ ص ۳۶۸)

**خون مسیح کی زیارت** **بیلیم کے مشہور شہر برگز میں خون مسیح کی زیارت**  
 کا سالانہ جلوس بڑی حرمت اور شان و شوکت

سے نکالا جاتا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں عیسائی عقیدہ مند پوری ارادت اور نیک نیتی سے دو دراز مقامات سے آکر شرکت کرتے ہیں۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ شہزادہ تھیوڈرک کاؤنٹ آف فلینڈرس بیت المقدس سے حضرت عیسیٰ کا ایک قطرہ خون اپنے ہمراہ لایا اور برگز شہر میں ایک عبادت گاہ تیار کرا کے اس میں ایک شبیہ کے اندر اس مقدس قطرہ کو رکھ دیا گیا۔ اب اسی شیشہ خون مقدس کا سالانہ جلوس نکالا جاتا ہے۔ مسٹر ہینڈن کی تاریخ میں جو اس جلوس کی تصویر ص ۳۶ پر بنائی گئی ہے اس کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شیشہ خون مبارک ایک عمارتی صندوق یعنی "خزینہ"

کی شکل میں رکھ کر اور خوب آراستہ و پیراستہ کر کے ہرگز شہر کے سرکردہ مذہبی پیشوائے سروننگے پاؤں اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں اور اس شہر عظیم کی تمام کلیوں اور بازاروں میں اس کا گشت کراتے ہیں۔ اس مقدس جلوس میں تمام سلطنت کا جلوس شاہی مع جملہ شاہی خاندان بصد اعزاز و تعظیم اور تزک و احتشام برابر ساتھ رہتا ہے۔

(ایجو فرام پیوپل آف نیشن ٹی۔ اے ہینسٹن ص ۳۵۲ جلد اول)

اب ہم بصد ادب قاضی صاحب اور دیگر مخالفین عزاداری سے انصاف کے تقدس کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ کیا ضریح، تعزیر اور دیگر جلوس عزرا میں بالکل ہی سامان نہیں ہوتے؟ اس مقدس اہتمام کے سوا عزادار کوئی خلافتِ آداب و اخلاق سامان کی فراہمی تو نہیں کرتے کہ کسی کی دل آزاری ہو؟ بہت افسوس کی بات ہے کہ ممالکِ یورپ کے دوسرے فرقے بشمول عیسائی گروہ جو اس طرح کے مراسم یا انہیں لاتے ہرگز بیجم کے عیسائیوں پر انگشتِ اعتراض نہیں اٹھاتے اور ان کے ساتھ ورپے فساد و آزار نہیں ہوتے مگر مسلمان کھلانے والی قوم جس کے دین کا نام ہی سلامتی پر ہے بلاوجہ عزاداری، نواسہ رسول اسلام پر ماتم گساروں سے جی جان کا بیڑ رکھتے ہیں۔ اے برادرانِ اسلام! کچھ تو عتبر رکھو۔ آنکھیں کھولو کہ ہم مظلوم کلمہ گو بھائی ہیں۔

**یوم وفات پر جلوس** سینٹ ویٹو وی ٹوم سیجی مقیم مراکش کی شہید خاتون ہے۔ روایات کثیرہ سے ثابت ہوتا

ہے کہ اس خاتون کا مقبرہ سیلاب آنے کے باعث دریا برد ہو گیا تھا معتقدانِ قوم بڑی تنگ و دو سے اس کی باقی ماندہ اجزائے لاش کو جزیرہ کارسیکاسے جہاں اس کا صندوق جالگا تھا واپس لے آئے۔ ہر سال سات جنوری (یوم وفاتِ خاتون)

کو بہت بڑا جلسہ نکالا جاتا ہے اور شہر کے تمام گلی کوچوں میں تحصیل ثواب و برکت کے خیال سے پھرایا جاتا ہے۔ (پیوپل آف نیشن جلد ۷ ص ۳۵۵)

**گوتم بدھ کا دانت** سری لنکا کے ایک بڑے مندر میں مہاتما بدھ کا رانت مدفون ہے جس کی عظمت و حرمت کے خیال سے لاکھوں بدھ مت کے پیروکار ہندوستان، چین، جاپان اور دیگر ممالک دنیا سے آکر زیارت کرتے ہیں۔ (یادگار ص ۱۱۱)

**تابلوت، تعزیه، صندوق** تبت کے علاقہ میں ہر سال ایک عظیم الشان جلوس نکالا جاتا ہے جس میں اتنا بڑا مجمع ہوتا ہے کہ اس کے برابر دوسرا نہیں ہوتا۔ یہ جلوس ایک غم کا مظاہرہ ہوتا ہے جو ولی عہد جاپان کی وفات کی یادگار میں ہر سال قائم کیا جاتا ہے۔ گو اس کی وفات کو ساڑھے تیرہ سو برس گزر چکے ہیں۔ اس کا صندوق قبر اس صورت میں بنا کہ دیکھنے میں تعزیوں کا ہم صورت ہوتا ہے اس عظیم الشان جلوس کے ہمراہ اٹھایا جاتا ہے۔ (پیوپل آف نیشن جلد ۷)

**ایڈورڈ ہفتم کی وفات پر سیاہ پوشی** تاج برطانیہ کے شاہنشاہ ایڈورڈ ہفتم نے چھ مئی ۱۹۱۰ء کو انتقال کیا۔ لیکن اس کی تعزیت برس دن تک جاری رہی۔ پورے چھ مہینے اس کی وفادار رعایا سیاہ پوش رہی۔ سیاہ کپ اپنے بازوؤں پر باندھتی رہی۔ اور پورا سال تمام سرکاری مراسلات لفافے و خطوط کے شیعے سیاہ رہے۔ جس دن ایڈورڈ کو دفن کیا گیا اس وقت تمام ممالک اور قلمرو میں گورنمنٹ کا حکم تھا کہ ہر شخص اور ہر چیز عالم سکوت میں رہے چنانچہ اس وقت لوگ کہتے ہیں کہ سارے تہذیب ہندوستان کی بلکہ تمام سلطنت برطانیہ کی ریل گاڑیاں جو جہاں تھیں پندرہ منٹ تک وہیں ساکت رہیں۔

ہم نے غیر مسلم اقوام کی چند مثالیں اس ضمن میں اس لئے پیش کی ہیں کہ سلسلہ صالحین کی سالانہ یادگار قائم کرنے کی بین الاقوامی اہمیت واضح ہو سکے۔ چنانچہ اس دورِ جدید میں جسے روشنی و تہذیب کا زمانہ سمجھا گیا ہے۔ رسوماتِ عزاداری کی بجائے آزادی کا دستور و قاعدہ ان کے مظاہرات کا خالص احترام، ان کے اظہار و اعلان کا اہمیت بالشان انتظام اور تزک و احتشام ان کے مشاہدات میں عقیدہ مند رہنے اور مخلصانہ انتہاک کا رواج تمام اقوامِ عالم میں بدستور قائم و رائج ہے۔ بین الاقوامی برادری کے اس مشترکہ رواج کی موجودگی میں ہم شیعوں کی عزاداری پر اعتراض کرنا بالکل بے جا اور غیر مناسب ہے۔ دیگر حقوق کی بات تو چھوڑیے۔ دنیا کے موجودہ تمدن، قومی تہذیب اور ملکی ثقافت نیز اصولِ مساوات و آزادی اعمال مذہبی کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ہم مائتدیانِ آلِ محمدؐ کو بھی اپنے شرعی و قومی امور و رسوم کی بجائے آزادی میں دنیا کی دیگر تمام قوموں کی طرح پوری آزادی و یکسانیت حاصل ہونا چاہیئے۔ اور واضح ہو کہ ہمارا قدرتی حق ہے جس کو نہ تو دنیا کا کوئی مصنوعی قانون صلب کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کا بلا جواز احتجاج۔ کیونکہ ہم اسے اپنے مذہب میں مداخلت سمجھتے ہیں۔

میری حیثیت کی انتہا نہیں رہتی جب میں دیکھتا ہوں کہ تمام دنیا میں اپنے اپنے رواج کے مطابق عزاداری جاری ہے مگر جب ہم بیادِ شہادتِ مظلومانہ فرزندِ رسولؐ مقبولِ ماتم داری کرتے ہیں سیاہ لباس پہنتے ہیں عالمِ حزن و ملال میں رہتے ہیں ذمیوی آرام ترک کرتے ہیں غمِ شدید میں عالمِ صبر و سکوت میں رہ کر رونے دھونے ماتم کرنے۔ نوحہ و مرتیہ خوانی کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کرتے تو اس میں کیا بُرا کام کرتے ہیں؟

حضرت امام حسین علیہ السلام کا عالمِ غربت میں درندہ صفت افواجِ شقیہ

کے زغر میں آجانا، اہل حرم کا بے کسی کی حالت میں در بدر کی ٹھو کریں کھانا، پانی بند ہو جانا۔ سب بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے حتیٰ کہ شیر خوار فرزند کا بھوکا پیاسا تیر ستم کھا کر جام شہادت نوش کرنا، پھر خود ایک ہزار سے زائد زخموں میں چور ہو کر گھوڑے سے گر جانا اور زخمی حالت میں نماز ادا کرتے ہوئے گند خیر سے ذبح ہو کر ”ذبح عظیم“ کی تعبیر بن جانا۔ لاش کی بے حرمتی، انگشت تری کا مع انکلی جگر اہو جانا۔ پھر۔۔۔ مانوں کا خیمہ ہائے خاندان رسالت میں آگ لگا دینا۔ سب مال و اسباب ٹوٹ لینا۔ بچوں کلبے تابی و خوف سے اس طرح منتشر ہو جانا جس طرح کسی تسبیح کے ٹوٹ جانے سے دانے بکھر جاتے ہیں۔ مجذرات عصمت کا مضطرب و پریشان حال ہو کر سایہ رعا فیت کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑنا۔ ایک ہی بقیہ مرد امام زین العابدین علیہ السلام کا بیماری کی حالت میں قید ہونا گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں پہن کر ہزاروں میل کی مسافت طے کرنا، اور منزل بمنزل تازیانے کھا کر بددعا کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا، پھر عالم اسیری میں رستیوں سے جکڑی ہوئی بی بیوں کا اپنے عزیزوں کے سروں کو نیزوں پر بلند دیکھنا۔ پھر اسی حالتِ زار میں دیارِ بدیار پھر یا جانا۔ شہرِ کوفہ جہاں کچھ ہی سال پہلے وہ شہزادیاں تھیں داخل ہو کر ابنِ زیاد کے دربار میں آنا اور لاشہائے شہداء کا بے گور و گفن و رشتِ بلا میں پڑے رہنا۔ مارے عراق میں پھرائے جانے کے بعد شام کے شہر دمشق میں جا کر قید خانہ میں محبوس ہو جانا اور یزید سلطیہ جیسے ناسق و شرابی کے دربار میں پانچ سو گرسی نشینوں کے سامنے مثلِ باندیوں کے حاضر کیا جانا۔ حالتِ اسیری میں سکینہ بنتِ الحسین کا فوت ہو جانا اور اُمی بچنے لگنے میں گورِ غریباں میں دفن ہونا۔ کیا یہ ایسے واقعات نہیں ہیں جن کی ہمدردی اور عزاداری یعنی پسلبک موزنگ تا قیامت کی جائے؟ کیا یہ عزاداری خود جناب

مروہ کائنات کی تعزیت نہیں ہے؟ کیا ایسے زمانہ میں جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اولاد طاہرین پر ایسے سخت مصائب گزرے ہم کو مناسب یہی ہے کہ ان دکھوں کو بھول کر واہ واہ کر کے موزیوں کو دادِ تحسین و آفرین سے نوازیں اور مظلومین کو پُرسرد تعزیت کے لئے ہائے کہنے سے بھی اجتناب کریں۔ اگر واقعاً اسلام کی یہی تعلیم ہے تو پھر میں کہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر ظلم کی پشت پناہی اور رشتنگدلی کا مظاہرہ اور کسی ملکیت فکر میں نہیں ہے! اس وقت جب عزاداری کی مخالفت حسینؑ کے نانا کا کلمہ پڑھنے والے لوگ کرتے ہیں سخت تعجب ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کو مذہب غیر کے پیروکاروں نے عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ غیر مسلم تک اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ مگر مسلمان اس کو مٹانے کی فکر میں مصروف ہیں۔ ایک عیسائی مذہب مشہور مورخ گبن تحریر کرتا ہے کہ:-

”مدتِ مدید اور نامعلوم لیبید پر بھی مظلومانہ شہادتِ حسینؑ ایسا واقعہ ہے جو محض بے حس قلب کے سامعین کی ہمدردی کو بھی جگا دیتا ہے۔ اس کی سالانہ یادگار شہادت میں اس کے معتقدین پیرو ساکنانِ ایران اس کے روضہ پر جا کر اپنی جان و روح کو اس کی عزاداری اور غم خواری کے حوالے کر دیتے ہیں۔ یعنی جان کو جان نہیں سمجھتے۔“ (عروج و زوالِ سلطنتِ روم از گبن ص ۹۳۲)

ہم نے اپنے تمہیدی بیان میں عمومی عزاداری کو بین الاقوامی سطح پر جانچنے کی جانب توجہ مبذول کراتے ہوئے عزاداری سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی خصوصی اہمیت واضح کرنے کی کوشش کی۔ اب ہم اپنے دلائل بیان کرتے ہوئے ابتداءً آفرینش سے امام حسینؑ علیہ السلام کی عزاداری کا رواج ثابت کرتے ہوئے دین اسلام میں اس کا استحباب پایہ ثبوت کو پہنچاتے ہیں اور اس سلسلہ

ایک سو دلائل پیش کرتے ہیں۔ ان میں عقلی دلائل بھی ہیں اور نقلی دلائل بھی۔ تاریخ عالم، الہامی کتب، اسلامی کتب اور قرآن و حدیث سے استدلال کر کے یہ اثبات بغرض غور و فکر مدہ یہ قارئین ہیں۔

## ثبوت ۱۔ حضرت آدم علیہ السلام کا امام حسین کی عزاداری کرنا

”خلاصہ معنی یہ ہیں کہ خدا فرماتا ہے کہ آدمؑ نے عرش کے پہلو میں چند کلمات کہے دیکھے جبریلؑ نے وہ کلمات یہ کہہ کر ان کو یاد کرائے کہ ان کلمات میں ہمارے نبیؐ اور ان کی آل پاکؑ کے نام ہیں۔ آپ خدا کو ان (ناموں) کا واسطہ دیں اور اس طرح مناجات کریں۔

”یا حمید بحق محمدؐ یا عالیٰ بحق علیؑ یا فاطر بحق فاطمہؑ یا محسن بحق الحسن و الحسین علیہم السلام“

چنانچہ آدمؑ نے ان ہی کلمات کی خدا کو سو گند دی۔ جیسے ہی امام حسینؑ کے نام پر پہنچے تو آپ کے قلب میں غم کی آگ بھڑک اُٹھی اور آنسو آنکھ سے بہنے لگے۔ تو جبریلؑ سے کہا کہ کیا بات ہے کہ پانچویں نام کے ذکر میں میرا دل چھٹ گیا۔ اور آنسوؤں کی سیل جاری ہو گئی۔ جبریلؑ نے کہا کہ آپ کا یہ بیٹا ایسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گا کہ تمام مصیبتیں اس کے سامنے کمتر ہیں۔ آدمؑ نے پوچھا وہ کیا ہیں۔ جبریلؑ نے کہا وہ پیاسا، یک و تنہا قتل کیا جائے گا۔ اس کا کوئی ناصر و معین نہ ہو گا۔ اور



اے آدم! اگر تم اس کو اس حالت میں دیکھو کہ وہ فریاد کرتا اور چلاتا ہو کہ ہائے میری پیاس اور میری قلتِ انصار و غزبت یہاں تک کہ اس کی پیاس دھوئیں کی طرح آسمان وزمین میں پھیل جائے اور کچھ کہیں نہ دکھائی دے اور کوئی شخص اس کو سوائے تلوار اور شراب مرگ کے جواب نہ دے اور اس کو مثل گو سفند کے سر کے تیچھے سے ذبح کرے اور دشمن اس کا مال و اسباب لوٹ لیں اور اس کے اور اس کے اصحاب کے سروں کو نیزے پر تمام شہروں میں مع اس کی عورتوں کے پھرائیں اور ایسے ہی ابتداء سے عدائے واحد و منان کے علمِ مشیت میں گزر چکا ہے۔

(ناسخ التواریخ جوالدور الثمین زیر تفسیر آیت قتلے آدم من

سابقہ کلمات۔۔۔ جوالہ واقعات کربلا کے اسباب روحانی

ص ۵۲، ص ۵۳)

حضرت آدم علیہ السلام کا حسین مظلوم پرگریہ کرنا اور دل شکافتہ ہونا اور امین وحی ملک حضرت جبریلؑ کا ذکر مجلس عزائے حسین بننا اور معصوم نبی جناب ابوالبشر آدم صغی اللہ و خلیفۃ اللہ فی الارض علیہ السلام کا عزاداری بن کر مجلس سننا، ثابت کرتا ہے کہ عزاداری معصومین کی سنت ہے۔

**ثبوت ۲۔ ذکرِ شہادتِ حسینؑ، ذکرِ جبریلؑ، عزادار  
حضرت نوحؑ اور کشتیِ نوحؑ کا خون رونا**

صحابی رسول حضرت انس بن مالک سے مرفوعاً مروی ہے کہ سفینہ نوحؑ کی

ساخت و صناعت کے دوران جب کشتی میں پانچویں کیبل لگانے کا وقت آیا تو یہ ہوا کہ ”جب پانچویں کیبل ٹھونکنے کی نوبت آئی اور (حضرت نورؑ نے کیبل رکھ کر) ہتھوڑے سے ٹھونکا تو فوراً ایک نور پیدا ہوا اور اس سے خون ٹپکنے لگا۔ حضرت جبریلؑ نے کہا یہ خون ہے اور شہادتِ حسینؑ کے واقعات اور اُمت کے ظلم و جفا کے سلوک تفصیل سے بیان فرمائے۔“

(ناسخ التواریخ بحوالہ محمد نجار (تاریخ) منقول از واقعاتِ کربلا کے

اسبابِ روحانی ص ۵۴)

جبریلؑ کا ذکر شہادتِ حسینؑ کرنا، نورؑ کا عزادارین کے سُننا اور کشتی سے خون کا ٹپکنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عزاداری سید الشہداء علیہ السلام معصوم فرشتے، پاک رسول اور نفعِ انجاثہ کے نزدیک جائز ہے۔

**ثبوت ۳** ذکر شہادتِ حسینؑ کا، ذکر خودِ خدا  
سو گوارِ ساری کا، عزادارِ خلیلِ خدا

(حضرت ابراہیمؑ کی عزاداری)

”إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْمُبِينُ قَدْ نَبَأَ بِذِيهِ عَظِيمُ۔“  
بے شک یہ امتحانِ روشن ہے اور ہم نے (اسمعیلؑ) کو ایک بڑی قربانی کے عوض پالیا۔

ص ۱ بطلانی مشیتِ الہی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل اللہ کو یہ فرمایا تو حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے دریافت کیا کہ ”بڑی قربانی“ کیا ہے۔ جواب ملا ”اے ابراہیمؑ تیرا فرزند (اسمعیلؑ) خاتم النبیین کے نور کا حامل ہے۔ اس لئے ہم نے تیرا امتحان لے کر اسمعیلؑ کو بچا لیا۔ پھر خدا نے اپنے خلیلؑ کی نگاہوں سے حجاب دور کر کے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل اطہار علیہم الصلوٰۃ کا رتبہ جلیلہ مشاہدہ کروایا۔ (نُزْیِ اَنْبِرَاہِیْمَا مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ) یعنی اور ہم نے ابراہیمؑ کو نظام آسمانی دکھانے کے مناظر ان کے پیش نظر فرمائے تو ابراہیمؑ ان برگزیدہ ہستیوں کی یہ منزلت ملاحظہ کر کے بہت معظوظ ہوئے اور حضرت امام حسینؑ کو دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کون ہیں۔ جواب ملا کہ یہ اسمعیلؑ کے فرزند کا لخت جگر یعنی دختر حضرت محمد مصطفیٰ کا فرزند حسینؑ ہے۔ اے ابراہیمؑ! تم اپنی ذات کو زیادہ دوست رکھتے ہو یا محمد مصطفیٰؐ اور ان کے جگر پارہ امام حسینؑ کو۔ جناب ابراہیمؑ نے عرض کیا۔ خداوند! میں جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ذات سے زیادہ اور امام حسینؑ علیہ السلام کو اپنے نورِ نظر اسمعیلؑ سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا۔ اے ابراہیمؑ! اسمعیلؑ کا فدیہ عظیم یہی ہے اشقیائے اُمت اسی کو مع اس کے کسں بچوں کے تین دن کا بھوکا پیاسا غربت اور بے کسی کی حالت میں نہایت ظلم و ستم کے ساتھ شہید کر دیں گے جس کو دیکھ کر شجر و حجر، آسمان و زمین، وحوش و طیور روئیں گے۔

جب خلیلؑ خدا نے یہ واقعہ سنا۔ شدتِ تعلق سے آپ پر عالم گریہ طاری ہوا۔ اور سرِ رشکِ عم بد بے مبارک سے جاری ہوئے۔ خطاب کیا کہ اے ابراہیمؑ!

امام حسینؑ کی مصیبت کو سن کر رونے اُسی کے ثواب کے برابر ہے جو اسمعیلؑ کی قربانی سے حاصل ہوتا۔“

{ ماخوذ از دلیل عزامت ۹۔ رسل اللہ المبین باسناد منہج الطالبین امام قزوینی }  
روضۃ الشہداء۔ تاریخ حبیب السیر اور معارج النبوة ملا معین لاہوری۔  
حوادث روزگار ابوالحسنات محمد احمد قادری وزیر خاں مسجد لاہور۔

پس روایت بالا کی روشنی میں ثابت ہوا کہ امام حسینؑ کی مصیبت کو سن کر گریہ و بکا کرنا اتنے ثواب کا حامل ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو جناب اسمعیلؑ کی قربانی کرنے سے حاصل ہوتا۔ لہذا عزاداری امام حسینؑ علیہ السلام نہ صرف ایک عبادت ہے بلکہ ملائکہ و اولوالعزم پیغمبروں کی سنت ہے۔ مدت ابراہیمی کے دائمی پر لازم ہے کہ اسوۂ خلیلؑ کی مخالفت نہ کرے اور تسلیم کر لے کہ عزاداری شہیدؑ منشا ایزدی کے مطابق باعث ثواب ہے حساب ہے۔

## ثبوت ۲۔ غم حسینؑ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خون بہنا

موسیٰ علیہ السلام کا ہمراہ حضرت یوشع بن نون زمین کر بلا میں گذر ہوا۔ اتفاقاً آپ کی نعلین پھٹ گئی۔ اور اس کا قسمہ بھی ٹوٹ گیا (اس وجہ سے) آپ کے پاؤں میں ایک سحنت کا ٹکڑا اور خون نکل پڑا۔ آپ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی پروردگار میں نے کیا خطا کی جس کی یہ سزا ملی؟ وحی آئی۔ اے موسیٰ یہ وہی مقام ہے جہاں حسینؑ قتل کئے جائیں گے۔ اور اسی مقام پر ان کا خون گرایا جائے گا۔ پس اس وقت تمہارا خون بھی اُنہیں کے خون کی موافقت

میں بہا ہے۔ موسیٰؑ نے عرض کی حسین کون؟ ندا آئی حضرت محمد مصطفیٰؐ کے  
نواسے اور علی مرتضیٰؑ کے فرزندؑ

(ناسخ التواریخ بجوالہ واقعات کربلا کے روحانی اسباب ص ۵۸)  
پس روایت منقولہ بالا سے ثابت ہوا کہ امام حسین علیہ السلام کی موافقت  
میں خون کا بہہ جانا مشیتِ ایزدی کے موافق ہے۔

## ثبوت ۵، شہادتِ امام حسینؑ پر خاتم المرسلین محمد مصطفیٰؐ کی عناداری

مشکوٰۃ شریف میں حضرت ام الفضل زوجہ حضرت عباسؑ سے، صاحب  
المعجم لغوی نے انس بن مالک سے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب  
میں حضرت علیؑ سے، ترمذی نے اپنی صحیح میں، امام احمد بن حنبل نے مسند میں۔  
امام بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس سے، حافظ ابوالغیم واسحاق ابن  
راسوید اور ام المومنین حضرت ام سلمہ سے دلیلی نے معاذ ابن جبل سے،  
ابن سعد نے طبقات میں حضرت عائشہ سے، طبرانی نے حضرت ام المسلمین  
زینب بنت جحش سے۔ امام حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس،  
ابن حجر مکی نے صواعق محرکہ میں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے  
سر الشہادتین میں اور لاتعداد مستند و معتبر کتب میں نامور علمائے متواتر  
احادیثِ رسولؐ سے واقعہ کربلا کی پیشین گوئیاں نقل کی ہیں۔ جن میں صریحاً  
تحریر ہے کہ رسول اکرمؐ نے قبل از شہادتِ امام حسینؑ واقعاتِ شہادت  
بیان کر کے خود گریہ و بکا فرمایا اور رکنے والوں کو رلایا۔ یعنی اسلام میں

مجاہد السعزائی حسین علیہ السلام کی بنیاد خود اپنے دست مبارک سے رکھی۔ اور امام حسین کے سو گواروں کو جنت کی بشارت دی۔ لیکن اس مقام پر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزاداری کا ثبوت بعد از شہادت امام حسین صحاح ستہ میں کی ایک صحیح سے پیش کر کے عزاداری کو رسولؐ کی فعلی سنت ثابت کریں گے۔ تاکہ حجت کامل ہو۔ چنانچہ صحیح ترمذی میں ہے کہ:-  
 ”ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسولؐ خدا کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ روتے ہیں اور آپؐ کے سر اقدس اور ریش مبارک پر خاک پڑی ہے۔ تو میں نے دریافت کیا۔ جواب دیا کہ ابھی حسینؑ قتل ہوا ہے۔ اور ایسا ہی خواب ابن عباسؓ نے دوپہر کے وقت دیکھا کہ آپؐ غبار آلودہ ہیں۔ اور آپؐ کے ہاتھ میں ایک شیشہ ہے۔ جس میں خون بھرا ہے۔ فرمایا آج میں دن بھر اُسی کے پیچھے رہا۔ (یعنی دن بھر جمع کرتا رہا) پس لوگوں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ عین اُسی دن امام حسینؑ قتل ہوئے جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا۔ کہ بلا میں جو ملک عراق کی زمین کوفہ کے پاس ہے اور وہ مقام طُوت کے نام سے مشہور ہے امام حسینؑ کو سنان بن انس نخعی نے قتل کیا اور بعض نے اس شخص کے علاوہ اور دوسروں کو بھی بتلایا ہے۔ وہ جمعہ کا دن تھا۔ محرم کی دسویں تاریخ ۶۱ھ۔ آپؐ کا سن چھپن برس کا تھا۔ جب آپؐ کو قتل کر چکے تو سر آپؐ کا یزید کے پاس بھیج دیا گیا۔ جب منزل پر اُترے تو شراب خواری میں مصروف ہوئے۔ اس اثنا میں ان کے سامنے دیوار سے ایک ہاتھ نکلا جس میں قلم تھا جس نے خون سے ایک سطر لکھ دی وہ یہ شعر تھا  
 ”جن لوگوں نے حسینؑ کو قتل کیا۔ کیا وہ ان کے نانا کی شفاعت کی امید کرتے ہیں؟“

## ثبوت ۶۔ محبت حسینؑ میں اشکِ عزا بہانا تو کجا رسولؐ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کر دیا

ملا جامی نے ”شواہد النبوة“ میں سید اشرف جہانگیرؒ نے لطائف اشرفیؒ میں صاحب ”سعدت الکونین فی فضائل الحسینؑ“ نے اپنی کتاب میں معتبر اسناد سے تحریر کیا ہے کہ مشہور ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک زانو پر اپنے نور العین حسینؑ اور دوسرے زانو پر اپنے فرزند ابراہیمؑ کو بٹھائے تھے۔ ناگاہ حضرت جبریلؑ نے پیغام پہنچایا کہ یہ دونوں آپ کے پاس نہیں رہ سکتے ان میں سے (کسی) ایک کو اختیار کیجیے۔ نہایت افسوس کی جگہ اور غور کرنے کا مقام ہے کہ دو پیاروں میں اس قسم کا فیصلہ کس کا تلب کر سکتا ہے۔ ایک بیٹا، دوسرا بیٹا کا بیٹا۔ لیکن واہ رے حسینؑ کی محبت۔ جس پر دل نے کسی طرح ابراہیمؑ کو حسینؑ پر ترجیح نہ دی اور حسینؑ ہی کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ اس واقعہ کے تین روز بعد حضرت ابراہیمؑ نے انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کی نظر امام حسینؑ پر پڑتی تھی تو آپ جوش کے ساتھ فرماتے تھے۔ اہلا و مرحبا بمن فدیۃ بابی مبارک اور خوشگوار ہو۔ اے میرے وہ پیارے جس پر میں نے اپنے بیٹے کو قربان کر دیا۔“

(رسالہ البلا المبین ص ۱۲)

پس محبت حسینؑ میں رسول الثقلینؐ کا اپنے فرزند دلبند کو قربان کر دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ حسینؑ کی محبت میں کسی بھی قربانی سے دریغ

نہ کیا جائے۔ جبکہ عزا داری اس اشارے سے بہت ہی کمترین درجہ رکھتی ہے۔

**ثبوت ۷۔ غم حسین میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام**

**اور روح اللہ جناب علی علیہ السلام کی سوگواری**

صفین کے سفر کے دوران جب حضرت علی علیہ السلام مع اپنے لشکر کے کوفہ کا پل پار کر کے مسجد ابوسرہ میں داخل ہوئے تو وہاں نماز ادا کی اور تسبیح پڑھی۔ پھر سرزمین بابل پر پہنچے تو اپنے لشکر کو وہاں سے تیزی سے گزر جانے کا حکم دیا۔ کیونکہ یہاں ایسا واقعہ پیش آئے گا جس میں بہت سے زندہ آدمی زمین میں دھنس جائیں گے۔ یہ سن کر اہل لشکر نے بڑی عجلت میں یہ سفر کیا۔ جب آپؑ کو بلا کے مقام پر پہنچے تو دریائے فرات کے کنارے جہاں چند مجھوروں کے درخت تھے تشریف لے گئے۔ اور عبداللہ ابن عباس سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اس مقام کو نہیں جانتے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ اے عبداللہ! اگر تم کو معلوم ہو جائے یہ کون سی اور کیسی سرزمین ہے تو تم بے اختیار زار زار روؤ۔ پھر ارشاد فرما کر خود حضرت علیؑ اتنا روئے کہ محاسن مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اور فرمایا افسوس ہے میرے ساتھ آل البوسفیان نے کیسی عداوت اختیار کی ہے۔ اس کے بعد امام حسینؑ کو طلب فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا اے فرزند صبر اختیار کرو۔ اور دیکھو آج کے دن البوسفیان کی آل سے کیا دکھ اٹھا رہا ہوں۔ کل تمہیں بھی ان ظالموں کے ظلم برداشت کرنا ہوں گے۔ اس گفتگو کے بعد امیر المومنین



نے وضو کیا اور چند رکعات نماز پڑھ کر ایک ساعت کے لئے سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو طلب کیا اور فرمایا اے ابن عباس! میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے کہ ایک نورانی چہرہ گروہ مردان نازل ہوا ہے جس میں تمام حضرات تلواریں حائل کئے ہیں۔ اور سفید علم ہاتھوں میں لئے ہیں۔ انہوں نے اس سرزمین کے ارد گرد ایک لکیر کھینچی اس وقت ان کھجوروں کے درختوں کی یہ حالت تھی کہ اپنی شاخیں زمین پر ٹپک رہے تھے۔ تازہ خون کی نہر جاری تھی۔ حسینؑ فریاد کر رہا ہے۔ لیکن کوئی اس کا فریاد رس نہیں ہوتا۔ اور وہ سفید چہروں والے لوگ ندا کر رہے ہیں کہ اے آل رسولؐ صبر کرو۔ اور جان لو کہ تم بدترین مخلوق کے ہاتھوں قتل ہو رہے ہو۔ اے حسین! تم کو بشارت ہو کہ بہشت تمہارے قدم کی مشتاق ہے۔ پھر وہ لوگ میسے پاس آئے اور رسم تعزیت بجالائے۔ یہاں تک کہ خواب دیکھ کر میں بیدار ہو گیا۔ اے عبداللہ ابن عباسؓ خداوند کریم کی قسم رسولؐ نے مجھے مطلع فرمایا تھا کہ میں ہنگام سفر میں کہ بلا پر یہ خواب دیکھوں گا۔ اے ابن عباسؓ یہ وہی زمین ہے جس میں حسینؑ اور ایک جماعت فرزندِ ناطقہ بنت رسولؐ کی مدفون ہوگی۔ اہل آسمان بھی اس بعتہ کو کربلا کہتے ہیں۔ بعد ازاں حضرت مرتضیٰؑ نے فرمایا کہ اے عبداللہ! اس سرزمین میں اس جگہ کو تلاش کرو جہاں ہرن شب گزاری کرتے ہیں اور آرام لیتے ہیں۔ عبداللہؑ گئے اور وہ مقام معلوم کر کے آئے۔ چنانچہ حضرت امیرؑ نے فرمایا اللہ اکبر صدق رسول اللہ۔ پھر آپؑ اس مقام پر تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر ایک مٹھی ہرنوں کی مینگنیوں کی کہ جن کا رنگ زعفرانی تھا

اور جن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اٹھا کر سونگھی اور فرمایا بے شک اللہ کے رسولؐ نے ایسا ہی پتہ دیا تھا۔ اے عبداللہ! مجھے آنحضرتؐ نے خبر دی ہے کہ ایک روز حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کا گذر اس سرزمین پر ہوا۔ اور میری طرف پشک آہواں (مہروں کی مینگنیاں) دیکھ کر انہوں نے بھی سونگھا تھا۔ اس وقت تمام ہرن ان کے سامنے کھڑے تھے۔ اور جناب عیسیٰؑ روتے تھے۔ حواریوں نے موجب گریہ دریافت کیا۔ تو جناب مسیحؑ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سرزمین وہ ہے جس میں فرزند محمد مصطفیٰ کو قتل کر دیا جائے گا۔ وہ مظلوم مقتول پیغمبرؐ آخری کی دختر نیک اختر کا لخت بکھر ہے۔ پس مسیحؑ نے مینگنیاں اٹھا کر سونگھیں اور حواریوں سے فرمایا کہ یہ اس لئے خوشبودار ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک دن فرزند محمد مصطفیٰؐ کو اس ملک لائے گا۔ وہ ان کی خوشبو سے تسلی پائے گا۔

اے عبداللہ! یہ وہی پشک ہیں جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہیں۔ جن کو عیسیٰؑ نے اپنے ہاتھ میں اٹھایا تھا۔ جب جناب امیرؑ یہ فرما چکے تو بہت گریہ کیا۔ اور فرمایا اے پروردگار! عیسیٰؑ میرے بیٹے کے قاتلوں کی عمر سے برکتوں کو صلب فرما اور ان کو ہمیشہ کے لئے ملعون کر۔ پھر آپ اس قدر روئے کہ حالت غشی طاری ہو گئی۔ جب ہوش ہوا تو آٹھ رکعت نماز پڑھی اور بار بار مینگنیوں کو سونگھتے تھے اور اپنے فرزند رشید حسینؑ کو تسلی دیتے تھے۔

(ماخوذ از بلا المبین بحوالہ تاریخ روضۃ الاحباب حبیب السیر اور فتوحات اعظم کوئی)

اس واقعہ سے مندرجہ ذیل امور عزا داری ثابت ہوئے :-

(۱) زیارتِ روضہ مبارک سید الشہداء علیہ السلام کا استحباب اور  
شیوہ انبیاء و مرسلین و آئمہ۔

(ب) جلوس کی شکل میں علم ہاتھ میں لے کر امام بارگاہ میں آنا۔

(ج) حسین سے منسوب نشانیوں کا احترام کرنا اور ان کی زیارت کرنا  
خواہ وہ ہرنوں کی بینگنیاں ہی کیوں نہ ہوں۔

(د) غم حسین میں گریہ زاری کرنا اور ان کے موزیوں کے لئے لعنت کی  
بد عادت دینا۔

(ه) صدیاں بیت جانے کے بعد بھی واقعہ کربلا کی یادگار کو قائم رکھنا جب کہ  
مسیح نے کئی صدیاں قبل زمین کربلا پر مقام قتل گاہ کی زیارت کی۔  
اور حضرت علی علیہ السلام نے خصوصاً ابن عباسؓ کو جائے خاص کے  
تلاش کرنے کا حکم دیا۔

(س) کھجور کے درختوں کی شاخوں کا نیچے ٹپک کر ماتم کرنا اور زمین پر  
سرمارنا۔

(ص) نہر کے پانی کا خون بن جانا اور پھر جاری رہنا۔

ثبوت ۸۔۔ سبط اکبر امام حسن علیہ السلام اور

مصائب حسین پر تمام مخلوقات کی عزاداری

شہادتِ امام حسن کے موقع پر امام حسینؓ رونے لگے۔ امام حسنؓ نے  
اپنے برادر کو تسلی دی اور فرمایا کہ اے جانِ برادر تم مجھ پر کئے گئے صرف  
اس ظلم کے صدمہ میں روتے ہو کہ مجھے پوشیدہ طور پر زہر دے کر قتل کیا گیا۔

مگر میرا یوم مصیبت تمہارے یوم مصیبت جیسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اے ابو عبد اللہ تم پر تیس ہزار شقی لوگ ایسے چڑھ آئیں گے جو خود کو ہمارے تانا کی اُمت کہلاواتے ہوں گے۔ اور اپنا دین اسلام بتائیں گے۔ وہی سب اکٹھے ہو کر تمہیں قتل کریں گے۔ تمہارا خون بہائیں گے اور تمہاری حرمت کو غارت کریں گے۔ تمہارے بچوں اور عورتوں کو قید کریں گے۔ اور تمہارے مال و اسباب کو لوٹ لیں گے۔ اس وقت بنی امیہ پر لعنت حلال ہو جائے گی اور آسمان سے گرد و خون برے گا۔ اور دنیا کی تمام مخلوقات تم پر مل کر روئے گی۔ یہاں تک کہ جنگل کے تمام جانور اور دریا کی تمام مچھلیاں تم پر آنسو بہائیں گی۔

دناسخ التواریخ جلد ۱ ص ۱۳۶ بحوالہ واقعات کربلا کے روحانی اسباب ص ۶۴-۶۵

## ثبوت ۹:۔ عزادارِ حسین سے امام حسین علیہ السلام کا وعدہِ جنت

مُلا علی قاری اپنی کتاب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں بروایت مسند احمد بن حنبل باسناد مندر تحریر کرتے ہیں کہ:-

”امام حسین نے فرمایا کہ جس شخص کی آنکھیں ہمارے غم میں اشکبار ہوں یا جو شخص ہماری مصیبت کو یاد کرے ایک قطرہ آنسو کا بہاے خدا اس کو جنت عطا کرے گا۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ تاریخ احمدی ص ۲۷۷ مطبوعہ کانپور)

پس ثابت ہوا کہ غمِ حسین میں گریا ہوا ایک آنسو جنت کی ضمانت ہے۔

ثبوت علماء امام زین العابدین اور امام محمد باقر کے ارشادات  
کہ مومن عزاداری کی سستی اور دوزخ کی عقوبت سے  
محفوظ ہوگا۔

تفسیر علی ابن ابراہیم میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے  
فرمایا میں نے والد بزرگوار حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام نے ارشاد فرمایا ہے  
جس مومن کی آنکھیں امام حسین علیہ السلام اور ان کے ہمراہیوں کی شہادت پر  
رویں گی اور اس کے آنسو اس کے رخسار پر بہیں گے۔ خدا اس کے لئے جنت میں  
ایک عرق عطا فرمائے گا۔ اور جو کوئی اپنی آنکھوں کو اشکیار کرے گا  
یہاں تک کہ اس کے آنسو بہہ کر اس کے گالوں پر آجائیں ہماری مصیبتوں  
کو یاد کر کے جو دشمنوں کے ہاتھوں سے ہم کو پہنچی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی  
مصیبتوں کو دُور کر دے گا اور قیامت کے دن وہ قیامت کی سستی اور دوزخ  
کی عقوبت سے مامون و محفوظ رہے گا۔

(نیایع المودة فی القرنی از سلیمان بلخی ص ۳۹۸ بحوالہ واقعات کربلا کی یاد  
ص ۹۳۹)

ثبوت ۱۔ ذکر مصائب اہلبیت گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے  
امام جعفر صادقؑ کا فرمان

کتاب مذکورہ بالا ہی میں ہے کہ :- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو

شخص ہماری مصیبتوں کا ذکر کرے گا یا ان مصائب کا ذکر کرائیگا۔ ان کو سن کر اگر وہ اپنی آنکھوں سے ایک ٹچھر کے پر کے برابر بھی آنسو گرائیگا تو خداوند عالم اس کے گناہوں کو بخش دے گا خواہ وہ سمندر کے جھاگ جتنے کیوں نہ ہوں۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

پس بمطابق فرمان صادق آل محمد مجلس عزاکا اہتمام اور اُس میں رونا اور رلانا گناہوں کو بخشوانے کا ذریعہ ہے۔

**ثبوت ۱۲: ”ما تم میں شرکت حقوق الناس میں سے ہے۔“**

**امام موسیٰ کاظمؑ کا ارشاد**

کلیتاً ”فروع کافی“ میں عبداللہ کاہلی سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ میری زوجہ اور ابن مارو کی اہلیہ ماتم میں شرکت کے لئے جاتی ہیں۔ جب میں ان دونوں کو (اس عام ماتم داری سے) منع کرتا ہوں تو میری بیوی مجھ سے کہتی ہے کہ اگر ماتم حرام ہے تو ہم کو اس سے منع کرو ہم رک جائیں۔ اور اگر یہ حرام ہی نہیں تو ہم کو کیوں روکتے ہو؟ جب ہمارا کوئی کمرے گا تو ہمارے پاس (تعزیت کے لئے) کوئی نہیں آئے گا۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا کہ تم مجھ سے حقوق الناس کے متعلق سوال کر رہے ہو۔ میرے والد (امام جعفر صادقؑ) میری والدہ اور ام فروہ کو ماتم میں شرکت کے لئے بھیجتے تھے تاکہ وہ اہل مینہ کے حقوق ادا کریں۔ (یعنی راوی کو منع کرنا صحیح نہیں ہے)

امام برحق نہ ہی خود حرام فعل کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اگر ماتم حرام ہوتا تو امام صادقؑ نہ ہی اپنی زوجہ کو اس میں شرکت کی

اجازت دیتے اور نہ اُم فروہ کو۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر محلہ و قصبہ میں کوئی موت ہو جائے تو متوفی کے لواحقین کا اہل محلہ و قریہ پر حق ہے کہ اہل شہر ان کو جاکر پُرسہ دیں۔

اسی حق کی روشنی میں اہلبیت نبیؐ کا بھوکا اور پیاسا ذبح ہو جانا اور بھرے گھر کا چند گھڑیوں میں اجڑ جانا مقفی ہے کہ رسول اکرم کو پُرسہ دیا جائے۔ علی و فاطمہؑ اور سادات عظام سے اظہار تعزیت کیا جائے۔

### ثبوت ۱۳۔ امام حسین کے لئے ماتم کی عام اجازت اور معصوم کا حکم

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ فاطمہ زہراؑ کی بیٹیوں نے امام حسین کے مصائب پر اپنے منہ بھی پیٹے اور گریبان چاک بھی کئے۔ پس حسینؑ مظلوم کے لئے منہ پیٹے جائیں اور گریبان پھاڑے جائیں۔ (جوہر الکلام جلد ۱ ص ۲۷۷)

امام معصوم کے اس حکم کے بعد ماتم کے جائز ہونے میں کسی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

### ثبوت ۱۴۔ گریہ اور خُدا کا محکم حکم

قرآن مجید میں ہے کہ تَلْفِظُوا قَلِيلًا ۖ وَتَبْكُوا كَثِيرًا ۚ جَزَاءُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔ (پنا سورۃ التوبہ آیت ۷۷) یعنی بہت تھوڑا منسو اور بہت زیادہ گریہ و بکا کر لینے کے کی جزا میں

اگر رونا دھونا مستحسن نہ ہوتا تو اس کی کثرتِ عمل کا حکم ہرگز نہ دیا جاتا۔ اور کوئی بھی منصف مزاج اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ تمام مقربان و مخلصانِ بارگاہِ الہی نے اس فعلِ مستحسن کو اپنا معیارِ عمل بنایا۔ انبیاء و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین اس عمل میں سب سے اول و اکمل ثابت ہوتے ہیں اور فطرتِ صالحہ اور خلقتِ کاملہ کے اعتبار سے ان ہادیوں کے تمام اعمال ہمارے لئے بہترین دستورِ العمل ہیں۔ پس رونے کی مخالفت کرنا اللہ اور رسولوں کی مخالفت کرنا ہے۔

## ثبوتِ شہادتِ حسینؑ پر ہاتھ غیبی کی مرثیہ خوانی اور جنات کی نوحہ خوانی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے سرائے شہادتین میں لکھا ہے کہ  
”وہتفت الہواقت بالمراتی ونوح الجن وبکاؤھم“  
(سرائے شہادتین ص ۱۳)

اور ہاتھ غیبی نے مرثیہ خوانی کی اور جنات نے نوحہ کیا اور گریہ زاری کی  
(شہادتِ حسینؑ پر)

ثبوت ۱۶۔ غمناک قدرتی آثار کے ذریعے عزا داری  
بیادِ شہادتِ حسینؑ کو دائمی طور پر جاری رکھنا  
مقصود ہے۔

”(اسی طرح کے دوسرے اسبابِ شہادتِ سائے کر بلا بھی ہیں اور یہ سب کچھ اس



لئے تھا کہ جس لوگ (اس وقت) موجود تھے اور جو لوگ موجود نہ تھے۔ اس شہادتِ عظمیٰ سے واقف ہو جائیں۔ اور یہ اس لئے بھی تھا کہ (حسین پر) گریہ زاری باقی رکھی جائے۔ اور غم و الم ہمیشہ رہ جائے اور اُن دردناک مصائب کا اُمت محمدی میں روز قیامت تک تذکرہ ہوتا رہے پس یہ شہادتِ عظمیٰ شہرت کی انتہا کو پہنچ گئی۔ عالم بالا (سماوات) میں عالم زیریں (زمین) میں۔ عالم غیب میں اور عالم حضوری میں حقیقت میں اور انسانوں میں۔ زبان والوں میں اور بے زبانوں میں۔ (سُورۃ الشہادتین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ص ۱۳۱)

پس شاہ عبدالعزیز محدث کے منقولہ بالا تہیدی بیان سے ثابت ہوا کہ شہادتِ حسین کی یادگار کو قیامت تک قائم رکھنا۔ مصائبِ سید الشہداء کا ذکر جاری رکھنا اور عزاداری کو باقی رکھنا اُمتِ محمدیہ کے لئے ضروری ہے پس ایسے عظیم المرتبہ واقعہ کی یاد منانا باعثِ ثواب و نجات ہے۔

**ثبوت ۱۔** ابو البشر حضرت آدمؑ کا جناب ہابیل کیلئے مرثیہ لکھنا اور اپنی آئندہ نسل میں اس کا ذکر جاری کرنے کی وصیت فرمانا

”جب قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا تو آدمؑ کو گریہ ہوا۔ اور انہوں نے میرانی زبان میں نثر کے طرز پر بیٹے کا مرثیہ لکھا۔ اور شیث کو وصیت کی کہ اس کلام کو یاد کرو۔ اور لوگوں کو سناؤ تاکہ آئندہ نسلوں میں اس کا ذکر قائم رہ جائے اور لوگ اس کو سن کر رونا کریں۔“

(روضۃ الاحباب جلد اول ص ۲۳ فارسی مطبوعہ لکھنؤ)

پس اولاد کے لئے والدین کی وصیت پر عمل کرنا واجب ہے۔ لہذا بنی آدم کو چاہیے کہ آدم کی سنت پر عمل کرے۔ گریہ زاری اور مرثیہ خوانی کی مخالفت نہ کرے

**ثبوت ۱۸:- حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بی بی سارہ کیلئے ماتم کرنا**

”اور سارہ کی عمر ایک سو ستائیس برس کی ہوئی۔ سارہ کی زندگی کے اتنے ہی سال تھے ۵ اور سارہ نے قریت اربع میں وفات پائی۔ یہ کنعان میں ہے جبرون بھی کہلاتا ہے۔ اور ابراہام سارہ کے لئے ماتم اور نوحہ کرنے کو وہاں گیا“

(کتاب مقدس - پیدائش باب ۲۳ آیت ۷، ۸ پرانا عہد نامہ)  
اگر ماتم و نوحہ ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہرگز ایسا نہ کرتے اور کہہ لیتے تو خدا ان کو روک دیتا۔

**ثبوت ۱۹:- توریت میں ماتم اور نوحہ خوانی کا خدائی محکم**

”اے میری بہت قوم اٹاٹ اوٹھ اور راکھ میں لیٹ۔ اپنے اکلوتوں پر ماتم اور دھڑکنا شروع کر کیونکہ غارتگر ہم پر چاٹک آئے گا۔“  
(کتاب مقدس - کتاب یرمیاہ - باب ۷ آیت ۳۷)

**ثبوت ۲۰:- الہامی نوحہ**

اگر نوحہ خوانی حرام ہوتی تو خدا اپنے نبی یرمیاہ پر نازل کردہ صحیفہ کا نام ”نوحہ“ ہرگز نہ رکھتا۔ (دیکھیے عہد نامہ قدیم میں کتاب ۲۵ ”نوحہ“ جس میں حضرت یرمیاہ کا نوحہ مرقوم ہے۔)

## ثبوت ۲۱۔ مغموم اور ماتمیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت

”یہی تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم تو روؤ گے اور ماتم کرو گے مگر دنیا خوش ہوگی۔ تم غمگین تو سو گے مگر تمہارا غم ہی خوشی بن جائے گا۔“  
(نیا عہد نامہ، کتاب (انجیل) یوحنا ۱۶ آیت ۲۱)  
پس اگر غم منانا اور ماتم کرنا مذموم ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مغموم و ماتمیوں کو خوشی کی خوشخبری نہ دیتے۔

## ثبوت ۲۲۔ رونے والے مبارک ہیں!

”مبارک ہوں تم جو اب روتے ہو کیونکہ ہنسو گے۔“ یسوع مسیحؑ  
(عہد نامہ جدید انجیل لوقا آیت ۲۲ ب)  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا تم جو اب روتے ہو تو پھر ہنسو گے۔ اگر رونا مذموم ہوتا تو آپؑ اس کی مذمت فرماتے۔!

## ثبوت ۲۳۔ واویلا کا جواز

واویلا کرنے کے جواز میں بعض مقامات میں کوئی شک و شبہ نہیں،  
کتاب اللہ میں بھی یا ویلتا موجود ہے۔  
یہ امر لابدی اور ضروری واجب التسليم ہے کہ ہر قسم کا نوحہ حرام نہیں۔  
بعض مراتب نوحہ جائز ہیں۔  
(فیض الباری شرح صحیح بخاری ۴۶۲ جلد ۱۲ مطبوعہ مصر)

## ثبوت ۲۲۔ بوقت مصیبت عزا داری صبر کے منافی نہیں

حافظ ابن حجر (عسقلانی) کہتے ہیں کہ اسی (گریہ و بکا) میں خدا نے اپنی رحمت و دلایت فرمائی ہے۔ اور یہ امر راضی برضائے الہی ہونے کا منافی نہیں ہے اور اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ انسان جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اظہارِ حزن و ملال کرتا ہے۔ اور اس عمل سے تا وقتیکہ اس کا قلب مصیبت میں مطمئن رہے۔ دائرہ راضین و مرصنین سے خارج نہیں ہوتا۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو شخص مصیبت کے وقت بے قابو اور بے تاب نہیں ہوتا اور اپنے دل و دماغ کا علاج صبر و سکوت سے کرتا ہے اس کا مرتبہ اس شخص سے بلند ہے جو مصیبت کے وقت بے تاب اور بے قابو ہوتا ہے۔

علامہ زرقانی کی مفصلہ بحث کا یہ اقتباس ہم نے واقعاتِ کربلا کی یادگار کے صفحہ ۹۰ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح کا اشارہ علامہ طبری کی بحث میں بھی ہے۔ اب ہم اس کی روشنی میں یہ ثبوت وضع کرتے ہیں کہ گریہ و بکا صبر کے منافی نہیں ہے۔

## ثبوت ۲۵۔ حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت پر رسولِ اکرمؐ کی گریہ ناری

حضرت جعفرؓ (طیار) کی خبر (شہادت) پر آنحضرتؐ کے گریہ اور حزن و ملال کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص صرف مصیبت میں گریہ و بکا کرنے کی وجہ سے صابروں اور راہِ الہی کے رضامندوں کے دائرے سے باہر نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ اس کا قلب مطمئن ہے کیونکہ مصیبت میں یہ حالت (گریہ و بکا) اُن رحمت و رقت کے آثار میں سے ایک انفرادی خاص کی کیفیت ہے جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہر بندہٴ موس کے دل میں ودیعت فرمائی گئی ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ

جس شخص پر مصیبت پڑے اور وہ اپنے در و دل کا علاج صبر و رفا سے کرے۔  
تو اس کا مرتبہ اس شخص سے جو مصیبت میں در و مند نہیں ہوتا اور رقتِ قلب سے  
آنسو نہیں بہاتا بلند ہوگا کیونکہ مصیبت میں در و مند نہ ہونا اور آہ و زاری نہ کرنا  
قنوتِ قلبی کی نشانی ہے ۴

(روضۃ الاحباب محدث شیرازی حافظ جمال الدین افغانی جوالہ واقعات کر بلا  
کی یادگار ص ۹)

اب اگر اسی اصول عمل کی مقابلت حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ  
کے واقعات شہادت اور حزن و ملال اور گریہ بکا حضرت رسول خدا صلی اللہ  
علیہ وآلہ وسلم میں کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم معصوم ہیں۔ آپ مصطفیٰ  
پیغمبر ہیں۔ اس بنا پر آپ نے بکمال استقلال اپنے عم زاد و برادر کے واقعہ  
شہادت پر راضی برضائے الہی رہ کر صبر و سکوت فرمایا لیکن رقتِ قلب اور  
رحمدی کے تقاضے سے جو عین ودلیعت الہی بتلائی گئی ہے اشک روانی فرمائی۔ مگر  
حضرت جعفر کے عیال تو غیر معصوم تھے۔ چنانچہ عام فطرتِ انسانی کے مطابق انہوں نے  
آپ کی مفارقت میں جزع و فزع کی۔ لہذا بقول علمائے اہل سنت طبری، ابن حجر  
زرقانی، قسطلانی اور محدث شیرازی وہ قنوتِ قلبی شمار ہوگی۔

علیٰ ینالقیاس ثابت ہوا کہ وقتِ مصیبت عزاداری صبر کے خلاف نہیں بلکہ  
رحمت و رقت کے آثار میں سے ایک اثر خاص کی کیفیت ہے۔

**ثبوت ۲۶۔ حضرت عائشہ کی حضرت ابوبکر پر نوحہ خوانی**

اُمّ المسلمین حضرت عائشہ نے حضرت ابوبکر کی وفات پر نوحہ برپا کیا اور  
نوحہ خوان بھلائی۔ (تاریخ کامل ص ۲۸۸ جلد ۲ عقد الغریبہ ص ۵۵ ج ۳)  
اگر نوحہ خوانی حرام ہوتی تو زوجہ رسولؐ اس کا ارتکاب کیوں کرتیں؟

## ثبوت ۲۷۔ بیت اللہ شبیہ بیت المعمور ہے

تحقیق اللہ نے اپنے عرش کے نیچے بیت المعمور کو بنایا۔ پس حکم ہوا کہ اس کا طواف بھی اس طرح کیا جائے جیسا کہ بیت المعمور کا اہل آسمان کرتے ہیں۔ (تفسیر جمل حاشیہ جلالین جلد اول ص ۲۹۷)

خانہ کعبہ کو بیت المعمور سے تشبیہ کر کے خدانے خود مکان مقدس کی شبیہ بنانے کی منظوری دی۔ پس ضریح و تعزیہ جو کہ روضہ مبارک کی شبیہ ہیں۔ اُن کے بنانے کے جواز کا ثبوت پیدا ہوا۔

## ثبوت ۲۸۔ شبیہ و تعزیہ بنانے کی اجازت

اہل سنت کی مشہور تفسیر میں امام زین العابدین سے مروی ہے کہ خانہ کعبہ بیت المعمور کی شبیہ ہے۔ اور بیت المعمور تحت العرش ہے۔ ثابت ہوا کہ مقامات مقدسہ کی تشبیہ بنانے کا سلسلہ دراصل عرش سے شروع ہوا۔ کہ اس لامکان غیر محدود و خالق نے اپنی ذات کے مظاہر بنانے سے تو منع کیا کہ میرا منظر کامل بنا محال ہے۔ لہذا مطلق کو مقید نہ کرو نہ معقول کو محسوسات میں لاؤ عبادت حق مرتبہ الوہیت بذاتہ ہے۔ مظاہر تجزیہ کا حق نہیں جیسا کہ کلیت حق انسان مطلق ہے۔ اس کے جزئی افراد کا حق نہیں۔ وسعت اور دائمی روانی بحر مطلق کا حق ہے۔ اس کی امواج کا حق نہیں۔ لہذا بت سازی منع ہوئی۔ کیونکہ وہ خدا کے مظہر سمجھے جانے لگے تھے۔ چونکہ انسان بھی خدا کا مظہر اتم ہے۔ اس کی نشانی بھی بت پرستی تھی لہذا وہ بھی منع ہوئی۔

حالیکہ اس نے خود اپنے مظاہر بنائے جیسا کہ مظہر الحجاب سرکار امیر علیہ السلام ہیں۔

اب چونکہ مکان کی شبیہ میں یہ شائبہ نہیں کیونکہ مکان کو کوئی ممکن نہیں سمجھتا۔ بلکہ مکان ایک نشان ہے جس کو دیکھ کر مالک مکان یاد آتا ہے۔ لہذا تخت العرش کی شبیہ بیت المعمور بنی اور زمین پر بیت المعمور کی شبیہ بیت اللہ بنا۔ یہ ہوئی مسجد حرام اور اسی مسجد کی شبیہیں قریہ بقریہ اور بستی بستی بنی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ کسی مکان کی شبیہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن ممکن کی شبیہ نہ ہو۔ پس نغزیہ جو کہ روضہ امام حسین کی شبیہیں ہیں بنانے میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ گناہ بلکہ مقام مقدس کی نقل بنا کر اس کا احترام کرنا جائز و مباح ہے۔

## ثبوت ۲۹۔ معصوم کی ماتم کیلئے وصیت

مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے ماتم کے لئے آٹھ سو درہم کی وصیت فرمائی۔ (فروع کافی جوالہ ماتم اور صحابہ ص ۱۳۹)  
اگر ماتم حرام ہوتا تو امام معصوم اس کے لئے ہرگز وصیت نہ فرماتے۔

## ثبوت ۳۰۔ امام برحق کی تدبیر کیلئے وصیت

روایت ہے کہ حضرت باقر العلوم سیدنا امام محمد باقر نے وصیت کی تھی کہ اُن پر دس برس تک تدبیر کیا جائے۔ (وسائل الشیعہ جوالہ ماتم اور صحابہ ص ۱۳۹)  
اگر تدبیر ناجائز ہوتا تو امام اپنے لئے ایسی وصیت کبھی نہ فرماتے۔

## ثبوت ۳۱۔ اہل ماتم کو نذر و نیاز کھلانا جائز ہے

امام محمد باقر علیہ السلام سے اہل ماتم کو طعام دینے کے متعلق دریافت کیا گیا۔

ارشاد فرمایا (یہ جائز ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب جعفر بن ابی طالب کی شہادت پر ان کے اہل و عیال جو کہ ماتم میں مصروف تھے کو کھانا بھیجنے کا حکم دیا۔ اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بھی اُن مستورات کے لئے طعام کا بندوبست کرتے تھے۔ جو ماتم میں مصروف رہتی تھیں۔

(وسائل الشیوخ کتاب الطہارۃ ج ۱۰ ماتم اور صحابہ منہل)  
پس ثابت ہوا کہ اہل ماتم کو نذر نیا ز کھانا سنتِ رسول ہے)

### ثبوت ۳۲ :- رسالت مآب کا سیاہ لباس پہننا

جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منقش چادر بھی پہنتے تھے سادہ چادر بھی اور حضور کا لباس بھی سب سے فرماتے تھے۔

(زاد المعاد جلد اول ص ۵۸)

اگر سیاہ لباس پہننا ممنوع ہوتا تو آنحضرت اس رنگ کا لباس کیوں پہنتے؟

### ثبوت ۳۳ :- امین الوحی حضرت جبریلؑ کا سیاہ پوش ہونا

صحابی انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ایک روز جبریلؑ میرے پاس آئے اور وہ کالی عبا ڈھے ہوئے تھے اور سر پر سیاہ عمامہ باندھے تھے اور پیروں میں سیاہ جوتے تھے۔ (تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۲۳۲)

اگر سیاہ لباس دوزخی لوگوں کا ہے تو پھر جبریلؑ جیسے معصوم فرشتے نے اسے زیب کیا؟

### ثبوت ۳۴ :- حضرت عمر بن خطابؓ کا لے لباس میں

علامہ طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابی بکر العیس نے دیکھا کہ سخت گرمی کے



دن حضرت عمرؓ سیاہ چادر پہنے اور اوڑھے ہوئے تھے۔ (ما تم اور صحابہ ص ۷۲)  
اگر کالے کپڑے پہننا حرام ہے تو فاروق اعظمؓ اہلسنت نے اس رنگ کا لباس  
کیوں پہنا؟

### ثبوت ۳۵: حضرت عثمانؓ کے غم میں سیاہ پوشی

”خلیفہ سوم اہلسنت حضرت عثمانؓ کے قتل کے دن ایک جماعت نے سیاہ لباس  
پہنا“ (شرح شمائل ترمذی ص ۱۶۶)  
اگر کالا لباس پہننے میں کوئی قباحت ہوتی تو حضرت عثمانؓ کی سوگوار جماعت  
ایسے کپڑے نہ پہنتی۔

### ثبوت ۳۶: کالی کھلی والے کی کالی پگٹری

مروی ہے کہ حضورؐ کو دیکھا گیا کہ آنجنابؐ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور  
آنحضرتؐ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔  
(صحیح ترمذی جلد ۱ ص ۵۲۲، صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۲۲ سنن نسائی  
جلد ۵ ص ۷۷)

کیا اب بھی کالے لباس کے خلاف فتویٰ دے کر منہ کالا کروانے کا خیال ہے؟

### ثبوت ۳۷: وفات عمرؓ پر جنات کی مرثیہ خوانی سیاہ پوشی اور ماتم

عبد الطبری مشہور علامہ اہلسنت نے اپنی معتبر کتاب ”ریاض النقرة“ میں  
لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے انتقال پر جنات نے مرثیہ کہا کہ اے عمرؓ تیری موت کے  
غم میں جنات کی عورتیں جو حسن میں دنیا رو کی مانند ہیں اپنے منہ پیٹ رہی ہیں

اور تیرے غم میں انہوں نے اپنے ریشمی لباس کا لے لباسوں میں تبدیل کر لئے ہیں۔  
(ریاض النفرہ جلد ۱ ص ۱۹ مطبوعہ بغداد)  
میں تو بس یہ کہوں گا اس ٹھکر کو آگ لگ گئی ٹھکر کے چراغ سے۔

### ثبوت ۳۸ :- سبط اکبر امام حسن کی سیاہ پوشی

”امام حسن علیہ السلام سیاہ لباس پہن کر خطبہ دیتے تھے اور آپ کا عمامہ سیاہ ہوتا تھا۔“ (شرح شمائل ترمذی ص ۱۶۶)  
اگر جو انانِ جنت کے سردار، فرزندِ رسولِ ابراہیمؑ کا لالہ، لباسِ زیب تن کر سکتے ہیں تو پھر ملا کے فتوے کی کیا وقعت ہوگی۔

### ثبوت ۳۹ :- ابو ہریرہ کا ماتم

راوی کا بیان ہے کہ ”میں نے ابو ہریرہؓ کو دیکھا کہ وہ اپنا ماتم پیٹ رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے اہل عراق تم گمان کرتے ہو کہ میں نبیؐ پر جھوٹ باندھتا ہوں۔“ (ادب المفرد بخاری، سنن ابن ماجہ بخوارہ ماتم اور صحابہ ص ۱۲۳)  
صحابی رسولؐ حضرت ابو ہریرہؓ کے ماتم کے خلاف کیا فتویٰ ہوگا؟

### ثبوت ۴۰ :- حضرت عمرؓ کا سر پٹینا اور بین کرنا

(۱) جب حضرت عمرؓ کو نعمان بن مقرن کی موت سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے سر پر ہاتھ رکھا اور چیخے مارے افسوس نعمان کے لئے۔

(کنز العمال جلد ۸ ص ۱۱ کتاب الموت)

افسوس ہے کہ حضرت عمرؓ نعمان کا غم منائیں تو کوئی جرم نہیں مگر شیعہ حسینؑ کی عزاداری کریں تو خطا وار ٹھہرائے جائیں۔

## ثبوت ۱۴۱۔ حضرت عثمان کے غم میں ماتم

علامہ ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ جب قاتلوں نے حضرت عثمان کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو عورتوں نے چیخ و پکار کی اور اپنے منہ پیٹے۔ ان بیٹنوں والی عورتوں میں حضرت عثمان کی بیویاں تھیں۔ ایک نائلہ اور دوسری ام البنین اور دو بیٹیاں تھیں۔ (البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد ۷ ص ۱۸۸، تاریخ طبری جلد ۷ ص ۳۰۲)

تاریخ اعظم کو فی ص ۱۵۹

اگر حوالہ دین کی یہ دلیل مان لی جائے کہ ماتم سب سے پہلے یزید کے گھر سے شروع ہوا تو کیا عثمان کے اہل خانہ کی ماتم واری سے بھی یہی مانو ہو گا کہ ان سو گواروں خود ہی عثمان کو قتل کر کے پٹینا شروع کر دیا۔ فافہم!

## ثبوت ۱۴۲۔ اصحاب رسولؐ کا ران پٹینا

معاویہ بن حکم سلمیٰ سے مروی ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک آدمی کو چھینک آئی۔ میں نے اُسے یرحمک اللہ کہا تو قوم نے مجھے گھٹورا تو میں نے اُن سے کہا مجھے کیوں گھورتے ہو تو صحابہ نے اپنی رانوں کو پٹیا۔

(سنن نسائی جلد ۲ ص ۱۷۱ سنن ابی داؤد جلد ۷ ص ۲۴۲ بحوالہ ماتم اور صحابہ)

اگر ران پر ہاتھ مارنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں تو پھر موجودگی رسولؐ میں اصحاب نے رانوں کو پیٹ کر اپنے اعمال کیوں گنوا دیئے۔!

## ثبوت ۱۴۳۔ حضرت حیدر گزار کا ران پٹینا

”چون شکست بر شکر ام المومنین افتاد و مردم از طرفین مقتول شدند“

حضرت امیر تہلے راملاحظ فرمود ران ہائے خود را کونقن گرفت ۛ  
 (تحفہ اشاعت شریعہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ص ۲۳۵)  
 یعنی جب (جنگ جمل میں) لشکر حضرت عائشہؓ کو شکست ہوئی اور  
 امیر المومنینؓ نے طریقین کے مقتولوں کی لاشوں کو دیکھا تو (اس صدمہ سے)  
 اپنی ران کو بیٹنا شروع کر دیا ۛ

تعجب ہے کہ اہل سنت کے چوتھے خلیفہ اور شیعوں کے امام اول کو اس  
 بات کا لحاظ نہ ملا کہ ران پیٹنے سے اعمال باطل ہوتے ہیں !

**ثبوت ۴۴ :- رسول مقبولؐ کا ماتم میں شرکت کی اجازت دینا**

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے ایک دن حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ  
 یا رسول اللہؐ بنی مخزوم کی عورتوں نے ولید ابن ولید ابن مغیرہؓ کا ماتم  
 بپا کیا ہے (میں اس میں شرکت کی اجازت طلب کرتی ہوں)  
 پس آنحضرتؐ نے ان کو اجازت عطا فرمائی۔ ام سلمہؓ آئیں اور  
 روتے پیٹتے اس شعر کے ساتھ ماتم میں شرکت کی۔

ابکی الولید بن الولید بن المغیرہ۔ ابکی الولید بن الولید (خالہ العشرہ)  
 (کتاب المعجم الصغیر طبرانی ص ۲)

اگر ماتم حرام ہے تو پھر آنحضرتؐ نے اپنی زوجہ محترمہ کو اس میں شرکت کی  
 اجازت کیوں دی ؟

**ثبوت ۴۵ :- حضرت آدمؑ کا پیٹ کہ خون بہانا**

در روایت است کہ چنداں قلق واضطراب در دے اثر کردہ کہ دست

برزائوزدہ کہ گوشت و پوست از دوست دسزائوزے اور فتنہ بود راستخوان  
ظاہر شرہ۔ (معارض النبہ رکن اول ص ۲۴۸)

یعنی حضرت آدمؑ میں بے چینی و اضطراب نے اس درجہ اثر  
کیا کہ اپنا ہاتھ زانو پر مارتے کہ اس سے گوشت و پوست ہاتھ  
اور زانو کا اتر گیا اور ہڈی ظاہر ہو گئی۔

اب ظاہر ہے اکاد کا ہاتھ مارنے سے گوشت پوست تو اڑھٹ نہیں سکتا  
اور نہ ہی ہڈی ظاہر ہوتی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ آدمؑ کا یہ عمل متواتر رہا  
اور جب چھڑی اتری ہوگی تو خون بھی لاگتا رہا ہوگا۔ اگر قلق و اضطراب کی  
حالت میں ماتم کرنا اور خون بہانا حرام ہوتا تو ایک معصوم نبی ایسے فعل حرام  
کا ارتکاب ہرگز نہ کرتے۔ اور اگر بشری تقاضے کے تحت بقولے ایسا سہواً  
ہو بھی جاتا تو خدا کی طاعت سے مانعت ہو جاتی۔ پس یہ خیال کہ ران پٹنے سے  
اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ درست نہیں ہے۔

ثبوت ۲۶۔ ابن عباسؓ کا غم حسینؑ میں نابینا ہو جانا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اہلسنت بحر العلوم تسلیم کرتے ہیں۔  
آپؓ کو حضرت امیر کی شادی کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ جب حضرت امام حسینؑ  
علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو ابن عباسؓ امام مظلوم کی مصیبت یاد کر کے  
اس طرح گریہ کرتے تھے کہ رو رو کر آپؓ کی بینائی ختم ہو گئی۔

(تذکرۃ الخواص الامہ سبط ابن جوزی ص ۹)

قاضی صاحب نے ایسی مثال طلب کی تھی جو پیش کر دی گئی ہے۔

## ثبوت ۴۷۔ زندہ کا غم منانے کا اجر و ثواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹے (یوسفؑ) کا کتنا غم تھا۔ جواب ارشاد فرمایا کہ اتنا جتنا کسی ماں کے ستر بیٹے لقمہ اجل بن جائیں اور (دریافت کیا کہ اس غم یوسفؑ کا یعقوبؑ کیلئے) اجر کتنا؟ فرمایا سو شہید کے برابر۔ (تفسیر و منشور جلد ۷ ص ۲۷۱ امام جلال الدین سیوطی) یہی روایت تفسیر خازن جلد ۲ ص ۲۵۳ میں اس طرح ہے کہ یوسف علیہ السلام نے جبیرؑ سے یہی سوال کیا اور انہوں نے ایسا ہی جواب دیا۔ پس زندہ کے غم میں ماتم کرنے کا اعتراض رفع ہو گیا۔

## ثبوت ۴۸۔ حضرت یعقوبؑ کا غم فرزندیں مکر خمیدہ ہونا

حضرت یعقوب علیہ السلام سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ کی بصارت کو کس چیز نے زائل کیا اور آپ کی مکر کو خمیدہ کس شے نے کیا۔ آنجناب نے جواب دیا۔ غم یوسفؑ میں رونے سے میری بصارت جاتی رہی اور بنیامین کے غم نے میری مکر کو جھکا دیا۔ (تفسیر خازن جلد سوم ص ۲۵۲)

## ثبوت ۴۹۔ امام زین العابدینؑ کی عزاداری و اتانجیح بخشش کی زبانی

(امام زین العابدینؑ) اس قدر گریہ فرماتے کہ صبح ہو جاتی۔ ایک روز میں (راوی) نے عرض کیا اے میرے سردار۔ میرے ماں باپ کے سردار، کب تک روتے رہیں گے؟ اور کب تک یہ خروش رہے گا۔ آپ نے فرمایا بھائی! یا

۱۴۸

یعقوب علیہ السلام کا ایک یوسف گم ہو گیا تھا تو اتنا روئے کہ چشم مبارک سپید ہو گئی۔ اور میں نے اپنے اٹھارہ آدمی مع باپ یعنی امام حسین کو اپنے سے گم کئے ہیں۔  
 (کشف المحجوب علی بن عثمان الجعفری المعروف داتا

کنج بخش لاسوری ص ۱۹ اردو ترجمہ)

پس ثابت ہوا کہ غم حسین بھولنے والی چیز نہیں ہے۔

**ثبوت ۵: امام ابوحنیفہ کیلئے امام احمد بن حنبل کی عزاداری**

”امام احمد بن حنبل حضرت امام ابوحنیفہ کی موت یاد کر کے گریہ کرتے اور ان کے لئے رحمتہ اللہ کہتے تھے۔“

(تاریخ خمیس علامہ حسین دیار بکری ص ۳۲۸)

ایک امام اہلسنت کا دوسرے امام اہلسنت کے لئے گریہ و بکا کرنا دلیل ہے کہ عزاداری حرام نہیں ہے بلکہ مباح ہے۔

**ثبوت ۵: خودی مارا خود ہی روئے!**

جب حضرت عمر بن خطاب نے اپنے بیٹے ابوشحہ پر حد جاری کی اور آخری کوڑا اُس کو لگا تو وہ گر پڑا۔ حضرت عمر نے اس کا سراپنی آغوش میں رکھا اور رونے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر سب نے رونا شروع کیا۔

(تاریخ الخمیس جلد ۲ ص ۲۵۳)

اگر زندہ کے رونے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے تو باپ نے بیٹے کو معذب کیوں کیا؟

## ثبوت ۵۲: حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا بلند آواز سے رونا

جب سعد بن معاذ کا انتقال ہوا تو نبی صلعم، حضرات ابوبکر و عمر آئے اور ابوبکر و عمر نے گریہ کیا۔ بی بی عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے ابوبکر کے گریہ کو حضرت عمر کے گریہ سے پہچان لیا۔ یعنی تمیز کر لی جبکہ میں اپنے حجرے میں تھی۔ (کشف الغمہ مؤلفہ عبدالوہاب شافعی ص ۱۷۶)

(اسی کتاب میں ہے کہ حضرات شیخین اس طرح روتے تھے کہ ہمائے اور پڑوسی بھی سنتے تھے ص ۱۷۶)

اگر اونچی آواز سے رونا بے صبری کا مظاہرہ ہے تو پھر ان دونوں بزرگوں نے صبر کے دامن کو کیوں چھوڑ دیا؟

## ثبوت ۵۳:۔ اسیروں کیلئے رونا سنت نبوی

اور سیرت شیخین ہے۔

جب رسول خدا اور حضرت ابوبکر بدر کے قیدیوں کے (ص ۱۷۶) میں رو رہے تھے تو حضرت عمر نے نبی سے کہا کہ مجھے بتائیے آپ کیوں گریہ زاری کر رہے ہیں۔ اگر مجھے رونا نہ آئے گا تو میں رونے والوں جیسی (منموم) شکل بنالوں گا۔ (زاد المعاد ص ۶۵ ابن قیم)

پس ثابت ہوا کہ معرکہ رحق میں قیدی بنائے جانے والوں کے غم میں سوگوار ہونا سنت نبوی رسول بھی ہے اور سیرت شیخین بھی۔



## ثبوت ۵۴ :- حضرت یوسفؑ کا اپنے بھائیوں کو تصاویر دکھانا

قرآن و تفاسیر سے ثابت ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ ہوئے اور ان کے برادران دربار عالی سے غلہ لینے آئے تو آنجنابؑ نے اپنے بھائیوں کو شناخت کرایا۔ اور ان کو ایک کمرہ میں لے جانے کو کہا جہاں کہ وہ تمام ظلم کے واقعات تصاویر میں جتائے گئے جو انہوں نے حضرت یوسفؑ پر کئے تھے۔

اگر شبیہیں بنانا جائز نہ ہوتا تو نبی ایسی تصاویر ہرگز تیار نہ کر سکتے۔ حضرت یوسفؑ کا تصاویر تیار کر کے ظالم بھائیوں کو دکھانا اس بات کی دلیل ہے کہ ظالم کو اس کے مظالم کے نقشے ہمیشہ مظلوم دکھایا کرتے تھے جو ظالموں کو پسند نہیں ہوتا۔ اور وہ نہیں چاہتے کہ کرتوت ظاہر ہوں۔

## ثبوت ۵۵ :- ابوالامت علیؑ اور ام المسلمین عائشہؓ کا محمد بن ابوبکر پر جزرع کرنا

جب جناب محمد بن ابوبکر کو قید کر کے معاویہ ابن خدیج کے پاس لایا گیا۔ تو اس نے محمدؐ کو گدھے کی کھال میں بند کر کے جلا دیا۔ چنانچہ جس وقت بی بی عائشہؓ کو اپنے بھائی کے قتل کی خبر پہنچی تو اس مصیبت پر جزرع کیا۔ اور ہر نماز کے قنوت میں معاویہؓ عمرو بن عاصؓ کے لئے بددعا کرتی تھیں۔ اور جب محمدؐ کے قتل کی خبر علیؑ کو پہنچی تو آنجنابؑ نے بھی جزرع کیا (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۹۹)

طہ معلوم ہوا کہ بی بی عائشہؓ ہر نماز میں قنوت پڑھا کرتی تھیں۔

پس اگر جزع کرنا صبر کے منافی ہوتا تو صدیقہ الہنت اور خلیفہ راشد  
بے صبری کا مظاہرہ ہرگز نہ فرماتے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ظالم کے حق میں  
بد دعا کرنا یعنی لعنت بھیجنا عملِ اُمّ المؤمنین ہے۔

## ثبوت ۵۶ :- زیارتِ علم مبارک اور اصحابِ رسول کی گریہ زاری

جنگِ صفین میں فوج معاویہ کے خلاف لڑتے ہوئے جب حضرت عمارؓ  
جن کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا  
کو شہید کیا گیا تو اسی دن حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے میدانِ صفین  
میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا علم نکالا اور یہ علم مبارک تیس  
ابن سعد بن عبادہ کو دیا۔ جب اس علم کو بدری صحابہ، انصار  
صحابہ اور مہاجرین صحابہ نے دیکھا تو اس کے نیچے جمع ہو گئے اور  
(زمانہ رسولؐ یاد کر کے) پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

(تذکرۃ الخواص الامہ، سبط ابن جوزی ص ۵۵)

## ثبوت ۵۷ :- علم کو احتراماً چومنا اور زیارت کی سعی کرنا

جب حضرت علیؓ نے جنگِ صفین میں مالک اشتر سے فرمایا کہ میرے پاس  
ایک علم ہے جو آج سے پہلے میں نے نہیں نکالا اور یہ وہ پہلا علم مبارک ہے  
جسے رسالتِ پناہ نے نکالا تھا اور آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے  
ابو الحسن تم میرے بعد ناکشین قاسطین سے جنگ کرو گے اور پھر جناب امیرؓ  
نے وہ علم نکالا اور وہ بہت پرانا ہو چکا تھا۔ پس جب لوگوں نے  
نبیؐ کا علم دیکھا تو بلند آواز سے رونے لگے اور جن لوگوں نے

اس علم تک پہنچنے کا راستہ پایا انہوں نے اُسے چوما۔

(کبیر العبادات ص ۲۶۳ بحوالہ ماتم اور صحابہ ص ۲۱۷)

پس شبیہ علم سے مقصود ایک نقشہ کو ذہن میں لانا سوتا ہے اور اس کا ادب و احترام اظہار عقیدت کے طور پر ہے۔ جو نہ ہی شرک و بدعت ہے اور نہ ہی امر ممنوع۔ جیسا کہ اصحاب و تابعین کے عمل سے مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہے۔

## ثبوت ۵۸: تعزیرہ دار مستحق شفاء شیعہ المذنبین ہے

مخالفین عزاداری کا خیال ہے کہ تعزیرہ اور دیگر رسومات عزاداری کا ہندوستان میں بانی امیر تیمور تھا۔ چنانچہ ناصبی ذہن کے لوگوں نے تیمور کے خلاف کافی ہرزہ سرائیاں کی ہیں۔ چنانچہ عطا اللہ شاہ صاحب بخاری کے ایک شاگرد مولوی غلام حیدر صاحب ملتان نے اپنی کتاب ”انتباہ الشیعہ“ میں لکھا ہے کہ:-

”کہ آپ کہتے ہوں گے کہ پھر آخر یہ تعزیرہ کس نے بنایا۔ ہاں سنو یہ تعزیرہ اور باقی رسومات عزاداری محرم کئی صدیوں سے واقعہ کربلا کے بعد تیمور لنگ بادشاہ نے قائم کئے ہیں جو کہ فاسق و فاجر اور ظالم و متبذع بادشاہ تھا۔ وہ کم بخت نہ تو صحابی تھا نہ تابعی جس کی سنت ہمارے لئے واجب الاتباع ہوتی۔ بلکہ وہ بد بخت عقیدہ رافضی اور عملاً فاسق و فاجر انسان تھا۔ اس لئے یہ تعزیرہ بنانا، علم اور ذوالجناح تیار کرنا بدعت اور حرام ہے۔ (انتباہ الشیعہ)

اب ذرا زبانِ مخالف ہی سے اس بانی تعزیرہ رافضی کی شانِ عمت

فرمائی مشہور شیعہ دشمن علامہ اپنی شیعہ کش کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ:  
 ”تحقیق جب تیمور لنگ مرض الموت میں علیل ہوا تو ایک روز سخت  
 مضطرب ہوا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور رنگ تبدیل ہو گیا۔ پھر افاقہ  
 ہوا تو اس کے لواحقین و اہلکاروں نے اس سے پوچھا کہ ابھی تو تمہاری  
 حالت غیر تھی اب تم باموش ہو۔ تو تیمور نے جواب دیا کہ ابھی ابھی عذاب  
 کے فرشتے میرے پاس آئے تھے۔ ان کو دیکھ کر میرا رنگ فق ہو گیا۔ پس  
 ناگاہ دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ میرے بالیں پر تشریف فرما ہوئے اور  
 اگر فرشتوں کو حکم دیا کہ چلے جاؤ۔ میں اس کی شفاعت کے لئے  
 آیا ہوں۔ یہ میری اولاد کا حب دار ہے اور میری اولاد سے  
 احسان کرتا تھا۔“ (صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص ۱۷۱)

پس معلوم ہوا کہ تعزیر دار آل محمد کا جبار ہوتا ہے اور بقول سغیر  
 عزاداری احسان ہے۔ اگر عزاداری حرام ہوتی تو فعل حرام کے بانی کی  
 شفاعت کے لئے ”شفیع المذنبین“ تشریف اور نہ ہوتے۔

## ثبوت ۵۹۔ بدگو و بدخواہ عزادار کو رسول کی ڈانٹ

”مورخ نجم بن قہدا اور مقریزی نے روایت کی کہ ایک قاری قرآن جیب  
 تیمور لنگ کی قبر پر سے گذرتا تو یہ آیت پڑھتا کہ اے فرشتو اسے پکڑ لو  
 اور جہنم کا طوق پہنا کر اس کو دوزخ میں ڈال دو۔۔۔۔۔ الخ

یہی قاری کہتا ہے کہ میں سویا ہوا تھا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ  
 علیہ وسلم کو دیکھا۔ آنحضرت تشریف فرما ہیں اور تیمور لنگ آپ کی  
 ایک جانب بیٹھا ہے۔ میں نے اس کو ڈانٹا کہ اے دشمن خدا تو یہاں کیسے؟

میں نے بھی ارادہ ہی کیا تھا کہ اس کو بچڑ کر اٹھا دوں اور حضورؐ سے دور کر دوں کہ رحمت اللعالمینؐ نے فرمایا (او ملک) اس کو چھوڑ دے۔ یہ میری اولاد کا حب دار ہے۔ پس میں ڈر کر بیدار ہوا۔ اس کے بعد میں نے اس کی قبر پر وہ آیت پڑھنی چھوڑ دی۔ اور اُس کو بڑا کہنا ترک کر دیا۔“  
(صواعق محرقة ابن حجر مکی ص ۱۷۱)

پس دشمن کی گواہی کے مطابق عزادار کا انجام یہ ہے کہ بوقت نزاع رسول کریمؐ شفاعت فرمانے کی کرم نوازی کرتے ہیں۔ بعد از مرگ اپنے پاس بٹھاتے ہیں۔ محب ہونے کا اعزاز عطا کرتے ہیں اور بدگو و بدخواہ کو ڈانٹ پلاتے ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ عزاداری محبتِ اہل بیت میں شامل ہے۔ اور مخالفتِ عداوت ہے۔

**ثبوت ۶: سید السابحدین کا مجلس عزاء برپا کرنا۔**  
**ذاکری فرمانا اور گریبان چاک کرنا۔**

”جب امام زین العابدین علیہ السلام نے جمعہ کے دن مسجد کوفہ میں مجلس پڑھی اور واقعاتِ کربلا بیان کئے اور اپنی منظوم نظم ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ تیرے شکاریوں نے محذراتِ عصمت و طہارت کو شہرِ شہر بکھرا دیا۔ مجھے یتیم کیا اور میرے جد کے دین میں تُو نے رخنہ ڈال دیا۔ اتنا فرمانے کے بعد آپ نے اپنی قمیض کا گریبان چاک کر دیا۔“

(روضۃ الاحباب مجاشیہ۔ تاریخ احمدی ص ۳۲۶ ج ۱  
برائین ماتم ص ۱۰۹)

## ثبوت ۶۱:- صوفی بزرگ شاہ حسن میاں پھلواری حنفی قادری کا عزاداری کیلئے مشورہ

حضرت مولوی شاہ حسن میاں صاحب پھلواری حنفی قادری فرماتے ہیں کہ:-

”ماہ محرم کا عشرہ ہم مسلمانوں کے غم و الم کے دن ہیں۔ امام مظلوم پر رونا سنت ہے۔ میں اس غم میں رونے اور رُلانے کو ثواب عظیم جانتا ہوں اور عشرہ محرم میں ذکر اہلبیت کے سوا دوسرا ذکر نہیں کرتا۔ ہندوستان کے بزرگان و اولیاء اللہ ہمیشہ سے عاشور کے دن اظہار غم کرتے آئے اور حضرت قبلہ مولانا شاہ محمد سلیمان حنفی قادری چشتی سجادہ نشین پھلواری شریف کا یہی معمول رہا۔“

(غم حسین ص ۶)

اگر غم کا اظہار کرنا اور رونا رلانا ممنوع ہے تو پھر ہندوستان کے بزرگان دین اور اولیاء اللہ نے دائمی طور پر یہ طریقہ کیوں اختیار کیا!

## ثبوت ۶۲:- بابا فرید شکر گنج کی عزاداری

پاک پٹن شریف کے بابا فرید شکر گنجؒ روز عاشور واقعہ کربلا کا ذکر کر کے آہ و زاری فرمایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ آپ سے منقول ہے کہ بغداد میں ایک بزرگ تھے۔ ان کے سامنے حضرت امام عالی مقام کی شہادت کا ذکر ہوا۔ وہ بزرگ اس قدر روئے اور سر کو زمین پر اس زور سے م مارا کہ وہ پھٹ گیا اور وہ انتقال فرما گئے۔ اسی

رات لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا اور حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا میں نے اہل بیت کی محبت میں جان دی تھی۔ اس لئے خدا نے مجھے بخش دیا اور اب میں حضرت امام حسین کے ساتھ رہتا ہوں۔“ (اسوۃ صوفیاء عظام ص ۱)

پس ثابت ہوا کہ اہل بیت کی محبت میں ماتم و زنجیر زنی کرنا تو معمولی بات ہے اگر اس محبت میں جان بھی جلے تو باعث بخشش و مغفرت ہے۔

## ثبوت ۶۳:- ”تعزیه داری واجب ہے۔“ منیری

### ”ماتم داری کی تعریف بزبان جبریل“

مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اپنے ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”روز عاشور لوگ حاضر ہو کر عرض کرتے کہ تعزیت خاندان شہداء ہمارا واجب است یعنی خاندان رسالت کی تعزیه داری سب پر واجب ہے۔ حضور انور کو جبریلؑ نے کہا کہ آپ کے امتی آپ کے نواسوں کی ماتم داری کریں گے۔ جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔“

پس صوفی بزرگ کے مطابق عزاداری امت پر واجب ہے اور آپ کے نواسوں کی ماتم داری معصوم فرشتے جبریل کے نزدیک قابل تعریف ہے۔

## ثبوت ۶۴:- سادات کا طریقہ سلطان اشرف سمنانی کی زبانی

حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی چشتی محرم کا چاند دیکھتے ہی گریہ ناری میں مصروف ہو جاتے رسم عاشوری برپا کرتے۔ ذکر مقل پڑھتے۔ اسباب خوشی ترک کر دیتے اور فرماتے کہ تمام اکابر و سادات کا یہی طریقہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سید الشہداء کے غم میں سو گوار ہونا اکابرین امت اور سادات عظام کا طریقہ ہے۔ عزادار کا مرتبہ شہ جیسا ہر کہ نہ؟

## ثبوت ۶۵۔ شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پٹوویؒ اور عزاداری حسین

حضرت شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پٹوویؒ محرم کے دس دن برابر گریہ زاری کرتے اور فرماتے کہ طرفہ ولی باشد کہ در ماتم خاندان رسولؐ گریہ وعزائے او نہ دارد۔

سہ کسے کو در چہنیں ماتم نہ گریہ۔ دل او پا مگر از سنگ باشد  
یعنی وہ کیا ولی ہو گا جو رسولؐ کے خاندان کے ماتم میں نہ روئے  
جو ایسے مقام ماتم پر بھی گریہ نہ کئے شاید وہ دل نہیں پتھر کھتا ہے۔  
(اسوہ صوفیائے عظام ص ۹)

پس ایک سنی ولی ہی کی زبان سے ثابت ہوا کہ جو ماتم دار نہ  
ہو ولی نہیں ہے اور جو ماتم سے گریز کرے سنگدل ہے۔

## ثبوت ۶۶۔ بندہ نواز گیسو دراز کی عزاداری

حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز کے ملفوظات سے ظاہر ہے کہ آپ بھی  
محرم میں گریہ و بکا میں مصروف رہتے۔

## ثبوت ۶۷۔ تابعی حسن بصری کا سوگوار ہونا

جب خواجہ حسن بصری کو امام حسینؑ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ  
اتنا روئے کہ کنپٹیاں پھٹنے لگیں۔

(ینابیع المؤدۃ ص ۳۳۹)



## ثبوت ۶۸۔ غم شبیر کے بغیر قبر میں چین نہیں!

اہل سنت مولوی وارث علی صاحب سیفی حنفی تقریر الشہادتین میں ایک رباعی لکھتے ہیں۔

شبیر کے غم میں جو نہ رویا ہوگا  
سب عمر کو اس نے مفت کھویا ہوگا  
اس غم سے جو محزون نہ ہوا دنیا میں  
وہ قبر میں چین سے نہ سویا ہوگا

شاعر کا یہ دعویٰ بجائے خود میری ثبوت ہے کہ حسین کے لئے اشکِ غم کی روانی تمام دکھوں اور مصائب سے نجات دینے کا ذریعہ ہے اور عزادار حسین کو قبر کے عذاب سے بچانے کا آسان طریقہ ہے۔ جیسا کہ حضرت تیمور لنگ کا واقعہ گذشتہ اثبات میں پیش کیا گیا۔

## ثبوت ۶۹۔ امام شافعی کی مرثیہ خوانی

مفتی اعظم قسطنطنیہ شیخ سلیمان قندوزی حنفی اپنی معرکتہ الاراکتاب ینایع المودۃ میں تحریر کرتے ہیں کہ امام شافعی نے امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ کہا ہے۔ (ینایع المودۃ ص ۳۳۲)  
اگر مرثیہ خوانی حرام ہوتی تو آئمہ اربعہ میں کے امام فقہ غم حسین میں مرثیہ نہ پڑھتے۔

ثبوت ۷۰۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ  
تمام سال میں اس فقیر کے گھر (دولتکدہ شاہ عبدالعزیز پور)

دو مجلسیں ہوتی ہیں۔ دل مجلس ذکر وفات شریف (۲) مجلس ذکر شہادت حسین۔

لوگ عاشور کے دن یا ایک دو دن پہلے قریباً چار پانچ سو بھی ہزار جمع ہوتے ہیں۔ درود پڑھتے ہیں۔ پھر یہ فقیر (شاہ جی) آکر بیٹھتا ہے۔ ذکر فضائل حسین علیہما السلام ان بزرگوں کی شہادت اور قاتلوں کی بد انجامی کی حدیثیں بیان ہوتی ہیں۔ اور جن و پری کے مرثیے جو حضرت رام سلمہ اور دوسرے صحابہ سے مذکور ہوئے ہیں۔ اس میں اگر کوئی خوش الحان سلام یا مرثیہ پڑھتا ہے حاضرین مجلس اور فقیر کو رقت طاری ہو جاتی ہے۔ پھر ختم قرآن پنج آیت پڑھ کر ماحضر پر ناحہ دی جاتی ہے (پھر یہ نیاز تقسیم ہوتی ہے) (فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۸۱)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی شخصیت و ناموری کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی شیعہ دشمنی بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے اور اہل سنت کے مناظر میں ان کا نام ہندوستان کی فہرست میں چوٹی پر ہے کہ متاخرین نے اس ہی سے خوشہ چینیاں کی ہیں۔ اس قدر شدت اختلاف کے باوجود شاہ جی نے عزاداری سیدالشہداء کے جواز پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔ اگر مجلس عزاء کا انعقاد کرنا، فضائل و مصائب اہل بیت کا ذکر کرنا، واقعات شہادت سننا، مرثیہ خوانی کرنا، سلام پڑھنا ان مواعظ کو سن کر گریہ زاری کرنا پھر نذر و نیاز تقسیم کرنا جو تمام امور عزاداری کے زمرے میں آتے ہیں ناجائز و حرام ہوتے تو شاہ صاحب موصوف ہرگز ایک سنی المذہب مناظر ہوتے ہوئے ان کا ارتکاب نہ کرتے۔

شاہ صاحب کا منقولہ بالا فتویٰ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام شرعی و اخلاقی لحاظ سے مباح و جائز ہے۔

## ثبوت ۱: تبرکات و زیارات شعائر اللہ میں داخل ہیں

علامہ اہل سنت امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں آیت ان الصفا والمرود من شعائر اللہ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:-

”و اما شعائر اللہ فہی اعلام طامتا و کل شیء جعل علما من اعلام طاعت اللہ فہو من شعائر اللہ۔“

یعنی شعائر اللہ خدا کی اطاعت کے نشانات کو کہتے ہیں اور جو چیز بھی خدا کی طاعت کا نشان بنائی جائے وہی شعائر اللہ میں داخل ہوگی۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۴۳)

پس ثابت ہوا کہ چونکہ محبت حسین اطاعت خداوندی ہے لہذا جس قدر بھی نشانیاں آل رسول کی محبت پر دلالت کریں گی وہ سب کی سب شعائر اللہ ہوں گی۔ خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان۔ مثلاً ذوالجناح، تعزیئے علم وغیرہ لہذا ان کی تعظیم واجب ہوگی اور ان کی توہین تقریر یا تحریر احرام ہوگی کیونکہ حکم ہے کہ یا ایہا الذین آمنوا لا تحلوا شعائر اللہ۔ یعنی اے مومنو! شعائر اللہ کی بے عزتی نہ کرو۔ اگر ”بدن“ شعائر میں داخل ہے تو ”ذوالجناح“ بھی شعائر خدا میں شامل ہوگا۔

## ثبوت ۲: عزاداری آثار اسلام سے ہے۔

مذہب شیعہ کے خلات تحریر کردہ کتاب ”تبصرۃ الایمان“ میں مصنف علامہ

سلامت علی بنارسی نے اقرار کیا ہے کہ  
 ”الحمد للہ کہ آل انصار اسلام است و عالمی بوجہ کثیرہ ازاں  
 بہرہ اندوزند و فوائد دینی ازاں حاصل است و شک نیست در آن کہ  
 امام باڑہ و نقل تربت بعد مرتب شدن لائق تعظیم است و آداب آن  
 شان ایمان“ (تبصرة الایمان مطبوعہ کلکتہ ۱۲۲۶ھ ص ۲۲)  
 یعنی عزاداری آثار اسلام سے ہے اور دنیا بوجہ کثیر اس سے  
 بہرہ اندوز ہو رہی ہے اور دینی فائدے حاصل ہو رہے ہیں اور  
 اس میں شک نہیں کہ امام باڑہ اور نقل تربت تیار ہو جانے کے  
 بعد لائق تعظیم ہے اور ان کا ادب کرنا شایان ایمان ہے۔  
 پس زبان مخالف ثابت ہوا کہ عزاداری آثار اسلام سے ہے اور  
 اس کے دینی فوائد حاصل ہو رہے ہیں اس لئے اس کو ناجائز و حرام قرار  
 دینا دراصل آثار اسلام کو مٹانے کی مذموم کوشش ہے۔

### ثبوت ۳: شاہ فیصل کی عزاداری

فرماں روئے مملکت سعودی عرب شاہ فیصل کے قتل پر یہ کہے گئے  
 مندرجہ ذیل اشعار دور حاضر میں عزاداری کی اہمیت و جواز کے لئے  
 ثبوت ہیں:-

#### وافیصلہ

العین باکیۃ من شدۃ الاحزان	والقلب فی کدمذیق لوعة الیوان
البادناہ مشجورۃ اذہاننا صنجوۃ	فلا سوا المرئی واعینہا تری الضیان
ان غمال قائدنا المعظم فیصل الفجاردۃ	بمسوس رجل سقیۃ من بنی الاخوان

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ مارچ ۱۹۷۹ء)

ان اشار کا مطلب یہ ہے کہ ہم سوگواروں کی آنکھیں خون رو رہی ہیں۔ دل غم کی آگ میں جل رہے ہیں۔ ہم عزاداروں کے دل چھلنی ہیں ذہن ماؤف ہیں۔ اور ہمارے حواس کھو چکے ہیں کہ ہمارے قائد فیصل کو ان کے بے وقوف بھتیجے نے پستول کی گولی کا نشانہ بنا دیا ہے۔

پاسبانِ حرمین شریفین سعودی حکومت کے بادشاہ کی ہلاکت پر اُن کے غم میں عزاداری کی متذکرہ بالا کیفیت اگر مائز ہے اور ”وافیصل“ یعنی ”ہائے فیصل“ کا عنوان درست ہے تو پھر شہنشاہِ کربلا کی اُمت کے ہاتھوں مظلومانہ شہادت پر عزاداری کیونکر ممنوع ہو سکتی ہے۔

**ثبوت ۱۶۷ :- رسوماتِ عزاداری باعثِ رحمت ہیں۔**

متفق بین الفريقین حدیث نبوی ہے کہ ”ینزل الرحمة عند ذکر الاخیاس“ یعنی نازل ہوتی ہے رحمت بوقتِ ذکر کرنے احوالِ نیک بختوں کے۔ پس عزاداری کے وقت شیعہ ذکرِ احوالِ اخیر کرتے ہیں لہذا اس وقت نازلِ رحمت ہوتا ہے۔

**ثبوت ۱۶۸ :- گریہ میں اثرِ رحمت ہے۔**

بحرِ جِبر متفقہ حدیثِ رسول کہ ”فی البکا اثر الرحمة“ کہ لکامیں اثرِ رحمت خداوند ہے۔ مصائبِ اہل بیت کا ذکر برپا کر کے رونا، رلانا، آہ و فریاد کرنا سب میں اثرِ رحمت ہے اس لئے عزاداری موجبِ ثواب، قتی درجات، کفارہ سیئات اور دلیلِ شفقت و شفاعت ہے۔

## ثبوت ۷۷: رنج و غصہ کی حالت میں چہرے کا سرخ ہونا

طبعی اثر ہے کہ عموماً غصہ و رنج کے مواقع پر انسان کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ اور خوف و خطرہ کی حالت میں رنگ پیلا پڑ جاتا ہے۔ یا فق ہو جاتا ہے تکلیف و علالت میں اکثر رنگت سیاہ مائل یا زرد مائل ہو جاتی ہے۔ ان طبعی اثرات کا اگر منظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ متحقق ہوتا ہے کہ انسانی اعضا و جوارح قدرتنا ایسے رد عمل بجا لاتے ہیں اور انسانی قصد کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے۔ تحقیق جدید کی روشنی میں شدت رنج و غلبہ الم و غصہ کے باعث اگر رنگت کی تبدیلی دیر پا ہو جائے تو انسانی صحت کے لئے مضر ہو جاتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات جان لیوا ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں اپنے جسم یعنی گوشت پوست کو تکلیف دینا بہترین علاج ہے۔ میں اس طبی کلیہ کو اپنے ماتم اور خصوصاً زنجیری ماتم کے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتا ہوں کہ عالم حزن و ملال میں شدت اضطراب کے باعث ہم ماتم کرتے ہیں۔ اگر نہ کریں تو جوش غم تحقے نہیں جو مضر ہو۔ لہذا ماتم طبی نکتہ نگاہ سے مذموم نہیں ہے۔ بلکہ ایسے مواقع پر ماتم نہ کرنا غیر مفید ہے۔ جوں جوں صدماتی کیفیت اور حالت غم کی ارتقائی صورت میں اضافہ ہوگا اسی رنج و مقابل پر علاجی ترکیب میں مقدار بڑھائی جائیگی جو زنجیری تک پہنچ سکتی ہے۔ گردش خون کی رفتار کا اس طرح تیز ہو جانا کہ لہذا بارہنگنا نظر آنے لگے اس بات کی علامت ہے کہ اس طبعی کور کو روکنے کے لئے اس کا

رنج کاٹ کر موڑا جائے۔  
ثبوت ۷۸: شہادت حسینؑ پر اظہار غم بصورت شفق

پروہدگار عالم کی ذات بابرکات حادث نہیں۔ لہذا ایسی طبعی کیفیات اس

کے لئے تجویز نہیں ہو سکتی ہیں۔ مگر روایات میں ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے غمِ حسین کا اظہار اور اپنا غضب بصورتِ شفقِ آسمانی ظاہر فرمایا۔ چنانچہ علما کا بیان ہے کہ آسمان پر سرخی شہادتِ حسین سے پہلے نہ تھی۔ اور یہ غضبِ الہی کی علامت ہے جو اسے حسین کی مظلومانہ شہادت پر ہوا۔

پس غمِ حسینؑ میں آسمان پر کبھرے ہوئے یہ خونِ آنسو اس بات کی دلیل ہے کہ اس غم میں خون کے چند قطرے بہا لئے جائیں تو یہ اظہارِ غم و غصہ ہوگا۔

### ثبوت ۷ :- طبی لحاظ سے غم و صدمہ کی تو خون بہانا

غصہ و الم کے موقعوں پر اکثر ایسا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ان حالتوں میں بسا اوقات دورانِ خون رُک جانے کا قوی احتمال پایا جاتا ہے۔ اندر میں حالت اپنے کو تکلیف میں مبتلا کرنا یا خون لگانا گردشِ خون کے عمل کو بحال رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سکتہ کے عالم میں مریض کو تکلیف دی جاتی ہے۔ اور کوشش کی جاتی ہے کہ وہ روئے۔ پس ہم شیعوں کے لئے اہلبیت کے مصائب سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں ہے لہذا اگر ایسے وقت میں ماتم کرتے ہیں یا زنجیر مارتے ہیں تو یہ اظہارِ تعزیت بھی ہے اور طبی حکمتِ عملی بھی۔

### ثبوت ۸ :- زنجیری ماتم کی حکمتی دلیل

ایسا بھی ہوتا ہے کہ خوف، رنج، غم، صدمہ اور مصیبت کے اوقات پر خون خشک ہو جاتا ہے۔ اگر تھوڑا بہاؤ جاری رہے تو یہ عارضہ لاحق نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ غمِ آلِ رسول ہمارے لئے بہت بڑا غم ہے لہذا ایسے میں

امکان ہے کہ ضبط کی صورت میں یہ حالت واقع ہو جائے لہذا زنجیری سے از خود ہی یہ حفظ مآلِ تقدّم مہتمم ہو جاتا ہے۔

## ثبوت ۸۔ عالمِ ملال میں خون پر اثرات

اطباء کا تجربہ ہے کہ دُکھ و درد، رنج و ملال، حزن و خوف، غم و صدمہ کی حالتوں میں خون پر نمایاں اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رنگتِ تغییر پذیر ہوتی ہے۔ ایسی شدید حالتوں میں عموماً خون کے سرخ ذرات جل جاتے ہیں۔ خون اندر ہی اندر کا لا پڑ جاتا ہے جسے جلد از جلد خارج کر دینا بہتر ہوتا ہے۔ پس عزادار جب ماتم زنجیر کرتا ہے تو اس بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔

## ثبوت ۹۔ خون نکالنا بعض امراض کا شافی علاج ہے

قدیم زمانہ سے مردّج ہے کہ لوگ بذریعہ جراحات کئی امراض کا علاج محض فاسد خون کو خارج کر کے کرتے رہے۔ پچھنے لگوائے جاتے تھے۔ اور جو نمکوں کے ذریعہ خون نکلوا یا جاتا تھا۔ اب بھی دیہاتوں میں یہ طریقہ رائج ہے مگر شہروں میں یہی عمل سائنسی آلات کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ پس عزادار جو زنجیر سے ماتم کرتا ہے دُہرِ فائدہ حاصل کرتا ہے۔ علاج بھی ثواب بھی۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام!

## ثبوت ۱۰۔ مکلفِ شریعت عاقل و باہوش ہے

امتِ مسلمہ کے تمام مکاتبِ فکر کا اتفاق ہے کہ شرعاً مکلف وہی شخص ہے جو باہوش و حواس ہو۔ چنانچہ یہی وجہ ہے نہ وہ بے ہوشی کی حالت میں نماز تک



پڑھنے کی مخالفت ہے۔ نیند کی غنودگی کو وضو ٹوٹ جانے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اگر ہم (بالفرض) مخالفین کی یہ بات قبول کر لیں کہ عزاداری ناجائز ہے تو بھی سید الشہداء علیہ السلام کی ماتم داری متاثر نہیں ہوگی کیونکہ یہ شدید صدمہ کے باعث ہے جو اکثر حواس کو بے قابو کر کے ایسے مقام پر لے آتا ہے کہ جہاں انسان زمرہ مکلفین سے باہر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ وفات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر سن کر حضرت عمرؓ پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ حالت اس قدر غیر ہوئی کہ ہاتھ میں برہنہ تلوار لے کر بطریق مجنون لوگوں کو دھمکاتے کہ اگر کسی نے کہا کہ رسولؐ کا انتقال ہو گیا ہے تو میں اس کا سرتن سے جدا کر دوں گا۔ ظاہر ہے کہ عالم ہوش میں اگر کوئی شخص اس طرح دھمکائے تو قابلِ تعزیر ہے مگر چونکہ وہ رسولؐ کی وفات پر اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ اپنی سادہ بدھ کھو بیٹھے لہذا اسے محبت و عشق و الہانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہم اس ہی واقعہ کو دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ جس طرح غم رسولؐ میں ناروقِ اہلسنت کا اظہار صدمہ ہاتھ میں تلوار اور زبان پر قتل کی ہیئت میں قبول ہے اسی طرح شیعہ کا ماتم زخیر بھی فرطِ محبت، رقتِ قلبی اور شدید قلق و اضطراب کی علامت ہے۔ کیونکہ ایسے صدمات پر انسان عموماً اپنے حواس پر قابو نہیں رکھتا اور اس صورت میں اگر کوئی ناجائز فعل کا ارتکاب بھی کرے تو قابلِ عفو و درگزر ہوتا ہے۔

**ثبوت ۸۳ :- ایام یادگار منانا**

متوفی کے اہل و عیال تو اپنی ذاتی سطح پر مرحوم کو ہمیشہ یاد کرتے ہیں مگر

ایسے معززین جنہوں نے قوم و ملت کے لئے کوئی کارنامہ سرانجام دیا یا ایسے قائدین جن کی قیادت سے اقوام کو سرفرازی ملی ان کے پیروکاران کی یادگاریں ہمیشہ قائم رکھتے ہیں۔ دُور مت جائیے۔ قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم نے پاکستان بنایا۔ لہذا قوم ہر سال ۱۱ ستمبر کو ان کا یوم وفات بڑی تعظیم سے مناتی ہے۔ اسی طرح شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم کا یوم بھی بڑے احترام سے منایا جاتا ہے نیز بزرگانِ دین کے عرس شریف پورے ترک و احتشام سے منائے جاتے ہیں۔ اور یہ رواج صرف ہمارے ملک ہی میں نہیں بلکہ تمام اقوام میں یہ چیز رائج ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلاف صالحین کی یادگار کا دن منانا بین الاقوامی سطح پر متفق امر ہے۔ پس شہادتِ عظمیٰ کا روز بھی استحقاق رکھتا ہے کہ اس کی یاد قائم رکھی جائے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ بڑی ہستی کے لواحقین اسی طرح یاد منائیں جس طرح قومی سطح پر منائی جاتی ہے۔

## ثبوت ۸۴ :- اظہارِ تعزیت باہمی اخوت و محبت کا سبب ہے

اگر کسی عزادار گھرانے سے اظہارِ تعزیت کیا جائے تو اس کو معاشرتی تمدن کی خوبی کہا جائے گا جو مستحسن ہوگا۔ اس کے برعکس اگر اظہارِ افسوس نہ کیا جائے گا تو بے رُخی بے حسی اور بے مروتی بلکہ سنگدلی کا مظاہرہ ہوگا۔

## ثبوت ۸۵ :- ایک بزرگ کا نہ نصیحت

بزرگوں کا مشہور قول ہے کہ آدمی خوشی کے موقع پر شرکت کرے یا نہ کرے مگر غمی کے موقع پر ضرور شرکت کرے۔ مجلسِ عزاء اور ماتمِ محافلِ غم ہیں۔ لہذا ان میں شرکت کرنا چاہیئے اور بلا وجہ اس کی مخالفت نہیں کرنا چاہیئے۔

**ثبوت ۸۶:** حضرت داؤد کا غم پسر میں ہر روز ماتم کرنا

کتاب مقدس کے پرانے عہد نامہ کی کتاب سموئیل ۲ میں ہے کہ ”داؤد ہر روز اپنے بیٹے کے لئے ماتم کرتا رہا۔“

(سموئیل ۲، آیت ۱۲، ص ۲، باب ۱۳)

صاحب کتاب نبی حضرت داؤد علیہ السلام کا اپنے بیٹے کے غم میں ہر روز ماتم کرنا ثابت کرتا ہے کہ ماتم نبیوں کی سنت ہے۔

**ثبوت ۸۷:** حضرت داؤد کا ماتم برپا کرنے کا حکم دینا

”اور داؤد نے یوآب سے اُن لوگوں سے جو اس کے ساتھ تھے کہا کہ اپنے کپڑے پھاڑو اور طاق پہنو اور ایتنیر کے آگے آگے ماتم کرو اور داؤد بادشاہ آپ جنازے کے پیچھے پیچھے چلا۔ انہوں نے ایتنیر کو جڑوں میں دفن کیا اور بادشاہ نے ایتنیر پر مرثیہ کہا۔“

(۲ سموئیل باب ۳، آیت ۳۱ تا ۳۴ ص ۲۹۷)

پس حضرت داؤد علیہ السلام کا ماتم خلیفے حکم دینا حلت ماتم کی دلیل ہے۔

**ثبوت ۸۸:** قرآن مجید میں عزاداری کو حرام قرار نہیں دیا گیا

قرآن مجید میں عزاداری کو کہیں بھی حرام قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ قصص انبیاء میں اس کو سنت خاصانہ خدا بتایا گیا ہے۔ نیز حکم قرآن کے مطابق مظلوم کے لئے اقوال سوء بھی جائز ہیں۔ پس قرآن میں عزاداری کا جواز تو عمل جاتا ہے مگر ممانعت نہیں ملتی اور جس فعل پر ممانعت وارد نہ ہو وہ فقہی

اصول کے مطابق حکم اباحت میں داخل ہوگا۔ مخالفین نے غلط فہمی کی بنا پر عزاداری کو مستناد صبر مشہور کر رکھا ہے۔ اس لئے وہ اپنی تائید میں صرف صبر کی تلقین کرتے ہیں حالانکہ عزاداری منافی صبر نہیں ہے۔

**ثبوت ۱۹:** ممانعت عزاداری میں کوئی صحیح حدیث دستیاب نہیں۔

عزاداری کی ممانعت میں کوئی بھی صحیح حدیث دستیاب نہیں۔ کیونکہ ایسے اقوال یا تو بطور تسلی ملتے ہیں یا پھر ان کا تعلق زمانہ جہالت جیسی عزاداری سے ہے جس میں اللہ و تقدیر کے شکوے شکایت کر کے خدا کی شان میں گستاخیاں کی جاتی تھیں۔ ہم یہ ثبوت اس دعوے کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ ماتم شبیرؑ کے حرام ہونے کی دلیل میں ایک بھی مرفوع حدیث صحیح پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ پس جو بات قرآن و حدیث سے حرام ثابت نہ ہو اس کو اپنے خیال سے حرام سمجھ لینا از خود حرام ہے۔ کیونکہ حلال و حرام قرار دینے کا اختیار خدا و رسولؐ کو ہے اُمت کے مولوی کو نہیں۔

**ثبوت ۲۰:** عزاداری تبلیغ حق کا موثر ذریعہ ہے۔

عقلاً بلکہ مشاہدہ بھی یہ ثابت ہے کہ مظلوم کی بات میں تاثیر ہوتی ہے مصائب اہل بیت کا تذکرہ بہت موثر ثابت ہوا ہے۔ ہر سال عزاداری کی بدولت لوگ گروہ درگروہ مذہب حق کے حلقے میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ کشش اور جوق در جوق آمد اس بات کا ثبوت ہے کہ عزاداری تبلیغ کا بہت موثر ذریعہ ہے۔

## ثبوت ۹۱ :- اگر عزاداری نہ ہوتی تو یزید نبی بن چکا ہوتا!

جس طرح حسین مظلوم نے دین محمد کی حفاظت کی ہے اس طرح حسین کی عزاداری نے محمد کی نبوت کو پایہ نہ آنے دی۔ اگر یہ ماتم داریاں، غمگاریاں اور تعزیت فرمائیاں نہ ہوتیں تو بعید نہ تھا کہ لوگ محمد کی بجائے یزید کی نبوت پر ایمان لے آتے۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے کہ ”(لوگوں میں) یزید کی نسبت تین قسم کی رائے والے لوگ ہیں ایک وہ جو اس کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں دوسرے اسے خلفاء راشدین میں داخل سمجھتے ہیں اور تیسرے انبیاء میں شامل کرتے ہیں“ (منہاج السنۃ جلد ۲ ص ۲۴۶ مطبوعہ مصر)

پس اگر عزاداری کو بند کر دیا جائے تو بعد از خاتم النبیین پھر یزید کی جھوٹی نبوت کا دروازہ کھل جائے۔

## ثبوت ۹۲ :- عزاداری کی مخالفت بجائے خود اسے حق ثابت کرتی ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر طرح کے لہو و لعب اور ہنگام زمانہ گوارہ کر لئے جاتے ہیں مگر عزاداری کے نام سے بھی مروط شروع ہو جاتے ہیں حالانکہ اس سے مخالفین کا ذرہ بھر بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا تو تعجب سے اس کا باعث تداش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عزاداری سے ظالموں کے ظلم سے پردے اٹھتے ہیں جو ان کے یہی خواہوں کو گوارہ نہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عزاداری ظالموں کے ظلم کی تہمید کرتے ہیں جب کہ دوسرے

اس کو پسند نہیں کرتے۔ لہذا کوشش کرتے ہیں کہ حسین کا ذکر حرام قرار پا جائے۔ لیکن کرنا خدا کا ایسا ہے کہ اس کی جتنی بندش درکاوٹ کی کوشش کی جاتی ہے یہ ذکر اتنا ہی اُبھرتا ہے۔ کیونکہ حق کا بولی بالا ہوتا ہے۔ لہذا اس شدید مخالفت کے باوجود عزاداری کا جاری رہنا اس کے حق ہونے کی تاخیر دلیل ہے۔

## ثبوت ۹۳: عزاداری اخلاق ساز ہے۔

رسومات عزاداری کو اگر صدق دل اور صاف نیت سے دیکھا جائے تو تعمیرِ اخلاق انسانی کے لئے بہت موثر طریقہ ہے کہ مجالس میں سبق آموز حکایات کا ذکر، جلوس میں نظم و ضبط کا لحاظ، ظلم کے خلاف نفرت کے جذبات کی پیدائش، اظہارِ حق کرنے کا اعلیٰ جذبہ، احسان شناسی کا مظاہرہ، درود ذکر و اذکار سے عبادت کا ثواب، کلمہ حق کا ناسازگار حالات میں اجراء، جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیمات، عقیدت کے اسلوب، ایمان کا استحکام، صبر و تحمل کے درس و تدریس، شجاعت کے کارنامے اور حقیقی تعلیمات اسلامیہ کے فوائد وغیرہ ایسی اچھی باتیں ہیں جن کو سیکھ کر انسان عملی زندگی میں اخلاق کا بہتر نمونہ پیش کر سکتا ہے۔ پس کوئی بھی صاحبِ عقل و ادراک ایسی روایات کی مخالفت نہیں کر سکتا ہے۔ تا وقتیکہ کوئی خفیہ سازش اس کے دل میں کارفرمانہ ہو۔

## ثبوت ۹۴: عزاداری ”یزیدیت“ اور ”حسینیت“ میں امتیاز پیدا کرتی ہے

اگر عزاداری کا رواج نہ ہوتا تو حسینیت و یزیدیت میں امتیاز کا حال چلتا۔

جیسا کہ لوگوں نے یزیدؓ کو امامت و نبوت تک کے تاج پہنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ یہ عزاداری ہی ہے کہ یزیدؓ کا نام آج داخل دشنام ہے ورنہ یزیدی ٹولہ تو اپنے اس خلیفہ کو زمرہ انبیائے میں داخل کر چکا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

”بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ (یزیدؓ) امام تھا، عادل تھا، نادی تھا اور مہدی تھا۔ اور صحابی کیا وہ تو اکابر صحابہ (رسولؐ) میں داخل تھا۔ اور وہ خدا کے اولیا میں سے تھا۔ اور اس بنا پر وہ لوگ اس کو زمرہ انبیاء میں شمار کرتے ہیں۔“ (وصیت الکبریٰ ص ۳ مطبوعہ مصر)

پس اگر مائتی ٹولہ عزاداری کو اپنا سرمایہ مذہب قرار نہ دیتا تو اب اسلام کا نقشہ الٹ ہوتا۔ یہ عزاداری ہی کا کمال ہے کہ یزید کو رسولؐ کا چھٹا خلیفہ لکھنے والے لوگ بھی اپنی اولاد کا نام یزید رکھنے میں قباح و کراہت کرتے نظر آتے ہیں۔

## ثبوت ۹۵: حسینؑ کی عزاداری دراصل رسولؐ کی عزاداری ہے

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فلسفہ شہادت کے تہیدی بیان میں تحریر کیا ہے کہ حسین علیہ السلام کی شہادت درحقیقت حسین کے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت جلی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عزاداری سید الشہداءؑ فی الحقیقت سید المرسلینؐ، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزاداری ہے۔ (سرا شہادتین)

## ثبوت ۹۶: عزاداری سے رسول اکرمؐ راضی ہوتے ہیں

انسانی معاشرہ میں ابتدا سے مشاہدہ کیا گیا ہے کہ کسی بھی سوگوار گھرانے سے

اظہار تعزیت کرنے پر ماتم دار گھرانہ شکر گزار ہوتا ہے اور ان کو روحانی لیکن حاصل ہوتی ہے۔ ایسی مثال پیش کرنا مشکل ہے کہ کسی بھی مصیبت زدہ گھرانے کسی تعزیت گزار سے بڑا سلوک کیا ہو۔ چنانچہ انسانیت کے اس تمدنی قانون کے مطابق یہ امر امکان سے باہر ہے کہ رسولؐ اپنے خاندان کے مصائب پر اظہار تعزیت کرنے والوں سے راضی نہ ہوں کیوں کہ آپؐ خالق عظیم پیغمبر ہیں۔

## ثبوت ۹۷: عزاداری قانوناً اور شرعاً جائز ہے

جب کسی مذہب والوں کو ان کے امام کسی کام کی اجازت دیں تو وہ کام اس مذہب والوں کے لئے شرعاً جائز ہوتا ہے۔ اور کسی دوسرے مذہب والے کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔ اب چونکہ شیعوں کے آئمہ نے عزاداری سید الشہداءؑ کی عام اجازت دی ہے اس لئے یہ قانوناً اور شرعاً جائز ہے۔

## ثبوت ۹۸: ایک غیر مسلم حج کا عزاداری کے متعلق فیصلہ

”شیعہ لوگ سالانہ حسین کی عزاداری برپا کرتے ہیں۔ یہ عزاداری صمد نمازشی اور ظاہری نہیں ہوتی بلکہ قلبی اور سچی عزاداری خواری او۔ صدمہ کے ساتھ ہوتی ہے۔“ (حبس ارنالڈ جلد ۱۲ بی بی ہائیکورٹ رپورٹ ص ۳۳۳ بحوالہ نور ایمان ص ۳۸۳) پس ایک غیر مسلم حج کا یہ نظریہ عزاداری کے مستحسن ہونے کا عام ثبوت ہے۔

## ثبوت ۹۹: جماعت مخالفین عملاً رسومات عزاداری کے آگے ہتھیار ڈال چکی ہے۔

اللہ کی شان ہے کہ جن لوگوں کی زبانیں رسومات عزاداری کو بدعت و



ناجاڑ کہتے کہتے ٹھکتی نہیں ہیں۔ وہ اب رفتہ رفتہ مجبور ہو کر عملاً ان ہی رسومات کا ارتکاب کرنے لگے ہیں۔ عید میلاد النبی کے موقع پر عظیم الشان جلوس نکالنا گلی کوچوں میں مقدس نام سے لے کر قوالیاں گانا اور نعتیں پڑھنا۔ جھنڈے بنا کر اور گولہ کناری سے سجا کر نکالنا۔ کھوڑا چھوڑا نوٹ بیل حتیٰ کہ ٹرک اور موٹر گاڑیوں کو سجا بنا کر لے جانا، نعرے لگانا سب کچھ ہوتا ہے۔ عزاداری کے اثرات دیکھتے ہوئے اور روز بروز اپنی کثرت میں کمی محسوس کرتے ہوئے اب عزاداری سید الشہداءؑ نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے۔ **مذہب** میں ارادی ہیں۔ بڑا زور لگا چکے کہ عزاداری بند ہو جائے لاکھ جتن کئے کہ نام حسینؑ مٹ جائے۔ واعظ پر ذکر حسینؑ کو حرام قرار دیا مگر سب تدبیریں اُلٹ ہو گئیں۔ بالآخر اب آخری تجربہ یہ ہو رہا ہے کہ آہستہ آہستہ شیعہ خصائل جزو اپنے میں ضم کرنے کی ترکیب آزمائی جا رہی ہے۔ اب دیکھیں اس میں ناکامی پر کب سر پہنچتے ہیں کہ کس صرف سیٹھ کی رہ گئی ہے۔ اب چونکہ تمام شیعہ رسومات عملاً انہوں نے اپنے ہاں جاری کر لی ہیں۔ لہذا ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا ہے کہ ”مخالفت کی مجالس“ جلوس اور مذہبی تقریبات اور نعرہ بازی سے اجتناب کریں۔ اپنے ریڈیو اور ٹیپ سے ان کے مذہبی گیت نہ سنیں۔“ دیکھیے اب یہ وقت بتائے گا کہ یہ حربہ کس حد تک کارگر ہوتا ہے۔ اگر یہ سب بدعت ہے تو پھر خود کیوں کرتے ہیں۔

**ثبوت ثاب۔ رسول صادق کا صدیقہ کوئین سے وعدہ**  
**عزادار کی یقینی نجات**

”حضرت شفیع المذنبین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دختر صدیقہ الکبریٰ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے

فسد یا میری اُمت کی عورتیں میرے اہلبیت کی عورتوں کے  
مصائب پر گریہ زاری کریں گی اور میری اُمت کے مرد میرے  
اہلبیت کے مردوں کی مصیبتوں پر رویں گے اور وہ ہر سال  
نسل بعد نسل میرے اہلبیت کے مصائب کی یاد تازہ کرتے رہیں گے  
جب قیامت کا دن ہوگا تو تم (بنی پاک) عزادار خواتین کی شفاعت  
کرو گی اور میں (حضور) عزادار مردوں کی شفاعت کروں گا۔ جو  
شخص بھی حسین کے مصائب پر ریکا کریگا تو ہم اسے ہاتھ سے پکڑ  
کر جنت میں داخل کریں گے۔ (بخاری الاوارجلہ ص ۱۶۷)

عاصی مشتاق غلام حسین مظلوم یہاں عرض کرتا ہے کہ حدیث منقول سے  
ثابت ہو کہ حضور نے اسی مرد و عورت کو اپنی اُمت میں داخل کیا ہے جو  
عزادار اہلبیت ہو۔ پس ایمان بالرسالت محمد کا تقاضہ یہ ہے کہ اہلبیت  
کے مصائب پر عزاداری کے تمام تقاضے پورے کئے جائیں۔ تاکہ آخرت میں  
سرخروئی ہو۔ نجات یقینی ہو۔ المختصر ثبوت آخر حاضر کیا۔ سوا ثبات  
پورے ہوئے۔ پیغام پہنچا دیا گیا۔ و کفی باللہ وکیلاً۔

پس ہم ماتم اس لئے کرتے ہیں کہ ہم محمد کی اُمت ہونے کے  
دعویدار ہیں۔ اگر ان کے اہلبیت کی مصیبتوں پر عزاداری سے  
مُنہ موڑیں گے تو شفاعت کرنے والا رسول ہم سے منہ پھیر لے گا۔  
عَلَى لَعْنَةِ اللَّهِ قَوْمَ الظَّالِمِينَ - اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ  
مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔

انچے بچوں کی معلومات کیلئے سمجھ کیا جو دیار غیر  
میں رہتے ہیں۔ — سید نذر عباس